

کس سفر کی پہل تُو کر بیٹھا اتور
قدم رکتے ہیں مگر رکتے بھی نہیں



پاکستان تحریکِ اجتہاد (پی ٹی آئی)

PAKISTAN TEHREEK-E-IJTIHAD (PTI)

☆☆☆ جوناٹا اللہ ”پاکستان تحریکِ انقلاب“ ثابت ہوگی۔ ☆☆☆

مولوگرام بنڈا میں ظاہر کردہ دنیا کے نقشے پر مثبت محنت کی علامت ہتھوڑا، درافتی اور کسی کے علاوہ علم و ہنر کے نمائندہ قلم اور کتاب کی مدد کے ساتھ UNITE & RULE کے تحت پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) اقتدار میں عوام، انصاف بن دام اور احتساب سرعام کی صورت میں ثمرات کے حصول کی خواہاں ہے۔			خوشی دینی اور مسلم غیر مسلم کی بلاتمیز نمائندگی کرنے والا سات رنگوں پر مشتمل پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) کا انقلاب پرپنی ”امن پرچم“ ہے۔
--	--	--	--

”پاکستان تحریکِ اجتہاد“ ... ”قوم کو ایک دعوتِ اصلاح!“ ... ”ایک دیوانے کا خواب (الحاصل)“

”عوام اور اسلام“ جنکا ہر چھوٹے بڑے نے ڈھٹائی کے ساتھ استعمال کیا، بلکہ بدترین حد تک استحصال کر کے، قوم کو منقسم و غیر منظم کیا، اب عوام کا مقدمہ، عوام ہی کی عدالت میں، پیش کیا جا رہا ہے، سماعت اور فیصلہ بھی عوام ہی کرے!

الطاف حسین انور (ساقی): بانی و صدر: پاکستان تحریکِ اجتہاد (پی ٹی آئی) / Pakistan Tehreek-e-Ijtihad (PTI)

صحافی و مصنف: (i) ”کیا یہ ممکن ہے؟“ (ii) ”MBCS سسٹم اور اسلامی معیشت کے خدوخال“ (iii) ”عالمی زندگی کے اسرار و رموز“ (زیر تکمیل)

رابطہ نمبرز : 0333-305-312-345-320-2880393 ، فون/فیکس نمبر : 044-2880393

خط و کتابت کا پتہ : 13-C، سول ایریا اوکاڑہ چھاؤنی، پاکستان : 13-C، CIVIL AREA، OKARA CANTT. (PAKISTAN)

ای میل : info@jtihad.org.pk or altafsaqi@gmail.com

پاکستان تحریکِ اجتہاد (پی ٹی آئی) کی زیر تکمیل ویب سائٹ : www.ijtihad.org.pk

عوام کا مقدمہ، عوام ہی کی عدالت میں۔۔۔



سماعت اور فیصلہ بھی عوام ہی کرے!!!

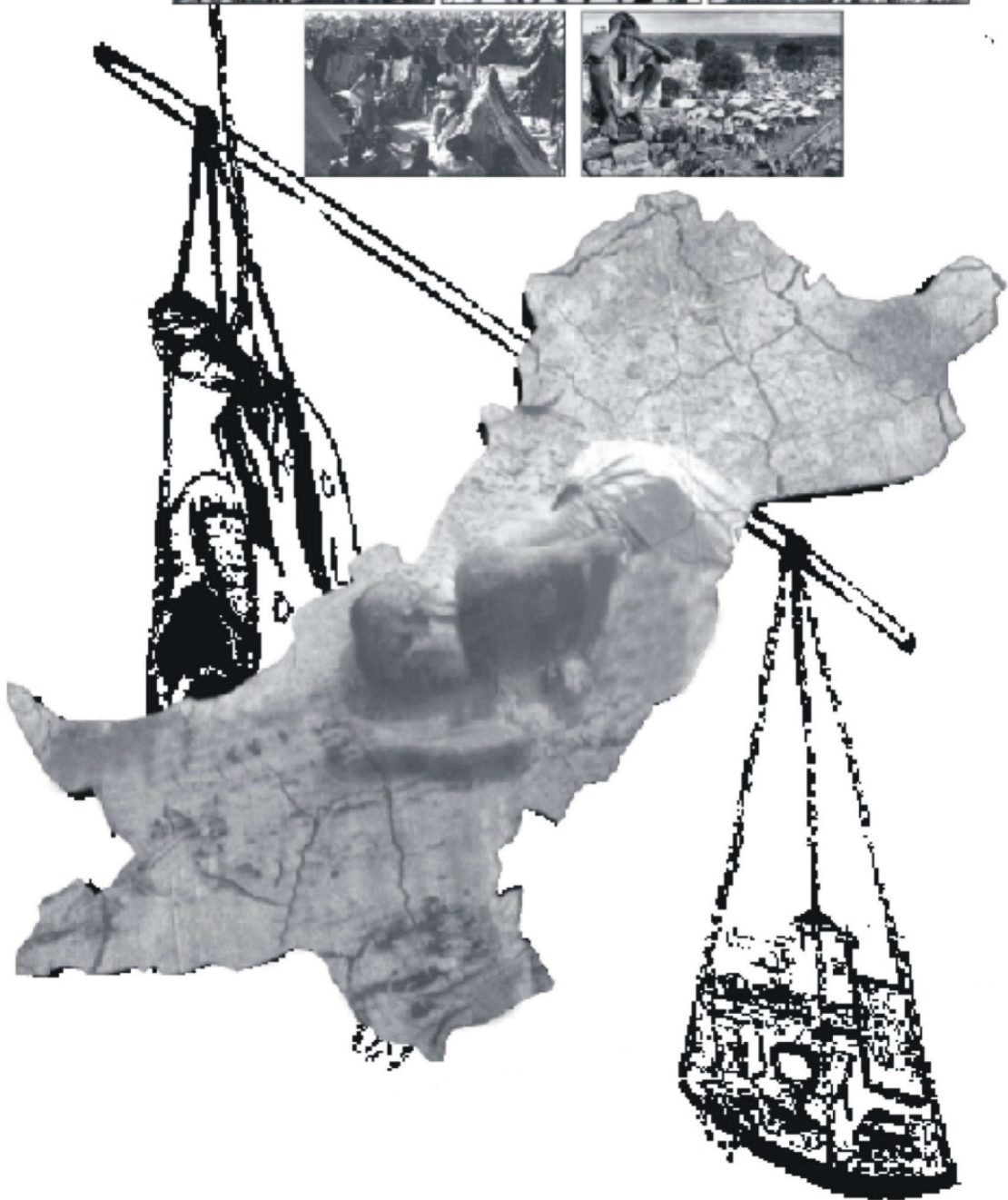


اقتدار میں عوام

انصاف بن دام

احتساب سرعام

ہم اور ہمارا پاکستان



ایک گزارش: عوام چاہے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے والے سیاسی کارکن ہوں یا متوسط طبقہ کے سول و عسکری و پولیس ملازمین یا احساس/سکیورٹی ادارے اور مذہبی رجحان کے حامل محب وطن ہوں، مگر وہ مجوزہ نظام کی زد میں آنے کے سبب اپنے اپنے مقتدر حلقوں کے گروہی و انفرادی مفادات کے زیر اثر اسلام اور قانون کے منافی ملنے والے ان کے جملہ احکامات پر عمل کرنے سے قبل سچے و مخلص پاکستانی ہونے کی حیثیت سے پاکستان تحریک (PTI) کے مسودہ ہذا پر مبنی منشور کا مطالعہ ضرور کر لیں اور اگر وہ خیال کریں کہ اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے تو ملی و دینی فرض سمجھتے ہوئے سب مل کر اپنا مثبت قومی کردار ضرور ادا کریں۔ خصوصاً عصری تقاضوں کے پیش نظر عدالت عظمیٰ کے فیصلہ کی روشنی میں پہلے سے جاری نیشنل ایکشن پلان کے تحت حکومت وقت کے ساتھ مل کر ہمہ قسم بے قاعدگیوں اور کرپشن کے خلاف مصروف عمل وطن عزیز کے سپہ سالار اراذل سے بھی مقصد ہذا کیلئے خصوصی اپیل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کیلئے آسانیاں پیدا فرمائے اور ملک و قوم میں ترقی و خوشحالی، امن و سلامتی اور یکجہتی پیدا کر کے اُسے دوام بخشے۔ آمین

”نظام ربوبیت“ اور اس کے مکمل نفاذ سے قبل تک عبوری نظام کا ڈھانچہ

بینک گھریلو جنت کے بعد دنیاوی معاشرے کی بہشت سے متعلق زندگی کی فردوس کا احساس ہر مرد و زن نظام خداوندی کے اتباع سے اسی دنیا میں متشکل معاشرہ کی صورت میں کر سکتا ہے۔ تاہم افراط و تفریط میں جھولتے ہوئے ہمارے معاشرے کے علاج انفرادی سے زیادہ اجتماعی اصلاح میں ہے، جہاں پورا دین ہی ایک رسم بن کر رہ گیا ہے اور زندگی کی رُق تک باقی نہیں رہی، تو ایسے میں جب تک ہم اپنے معاشرہ کو بدل کر اس کی جگہ قرآنی معاشرہ قائم نہیں کر لیتے، اُس وقت تک اصلاح حال کی کوئی صورت ممکن نہیں، اور اگر اس کے سوا کوئی دیگر صورت ممکن ہو جائے تو قرآن کا یہ دعویٰ باطل ہو جائیگا کہ انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون اور نظام اس کی جگہ لے ہی نہیں سکتا، اس لئے معراج انسانیت کیلئے قرآن مجید میں مومنین، مسلمین، صالحین اور قاتلین جیسے کردار کے حامل افراد بقائے ”صلح“ یعنی ”قہر صاحب الشوکت“ (Survival of the fittest) کے دھارے کو مثبت مفہوم دیتے ہوئے اس پر صادق آکر علم و ہنر کی لاٹھی کو یوں تھام لیں کہ بچیں بھی ان کی ہو سکے۔ تاہم کامیابی کی صورت میں آپ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں یہ یاد رہنا چاہیے کہ ”نیکی وہی نیکی ہوتی ہے جو بدی کی قدرت رکھتے ہوئے عمل میں آئے۔ اطاعت وہی اطاعت اصل ہے جو سرکشی کی استطاعت کے باوجود سرزد ہو۔ نیازمندی اسی کی قابل ستائش ہے جو خود سزا پا نا ز ہو۔ اسی سر کے جھکنے میں لذت ہے جس کی پیشانی میں دنیا کی سرفرازیاں جھک رہی ہوں۔ جس میں انتقام کی قوت نہیں اس کے غنیمت کیا خوبی ہے۔ جس میں ہمسری کی ہمت نہیں اُس کا جھک کر سلام کرنا خوئے غلامی ہے۔ جس کے پاؤں تلے تخت حکومت نہیں اس کا بور یہ نشین ہونا گداگری ہے۔“ غلامی کے دور میں تو دشواری ہو سکتی تھی مگر اب تو ہم خود اپنے لئے قوانین وضع کر سکتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جس قسم کے قوانین ہونگے اسی قسم کا معاشرتی چلن ہوگا۔۔۔

لہذا پاکستان تحریک (پی ٹی آئی) کا مسودہ ہذا پر مبنی منشور عوامی رائے کیلئے مشتہر کیا جا رہا ہے جس کے نفاذ کیلئے نیشنل ایکشن پلان اور قومی اسلامی ضرورتوں کے پیش نظر وزیراعظم صاحب/چیف ایگزیکٹو ”ہاں یا ناں“ کی صورت میں قوم کے سامنے سوال رکھ کر آئین کی دفعہ 48 کی شق 6 کے تحت استصواب رائے کرانیں۔

1- ضرورت انقلاب کیوں؟۔۔ عمل اجتہاد کیوں؟

بینک قوموں میں انقلاب چند فکر انگیز افراد ہی لاتے ہیں جو آپ بھی ہو سکتے ہیں۔ کامیابی فوری عمل کی متقاضی ہے جس کیلئے انتشار و خلفشار اور شور و ہيجان برپا کرنے والے بے مقصد ہنگاموں اور سطحی نعروں کی بجائے قوم کی تعمیر فکر سے کرنی ہے۔ ہم چونکہ ایک قوم نہیں محض ہجویت اور آتش سیال کی اشتعال انگیز روانی ہیں جو بھڑکتے طوفانی بگولوں کی طرح دیکھا دیکھی سارے ماحول کو گراہ گراہ اندھی عقیدت یوں لپیٹتی چلی جا رہی ہے کہ ہمیں تحریری خواہشوں کا غلام بنا کر ہمارے کانوں اور دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہیں (45/23)۔ پھر ہم دل و دماغ رکھتے ہوئے بھی عقل و فکر سے کام نہیں لیتے، آنکھیں رکھنے کے باوجود دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں مگر سنتے نہیں (7/179)۔ اللہ فرماتا ہے کہ آپ کا کام حکمت و دانائی سے پیغام پہنچانا ہے نہ کہ منوانا ہے۔ دین میں جبر کا کوئی کام نہیں، کیونکہ اس سے قلب و ذہن کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہدایت دینا نہ دینا اللہ کا کام ہے۔

ہم چونکہ نظریاتی کنفیوژن کے حامل ناقص و متنوع ساخت کے بے رحم معاشرے کا حصہ ہیں جو بیک وقت قاتل و مقتول ہے۔ جس میں ستم گر ہی منصف ٹھہرتا ہے! جہاں انسان کی بقاء مشکل ہو رہی ہے کہ ہمارا سماج انتہا پسندی کے حصار میں محقکہ ہو کر پہلو پہلو انتہاؤں کی آماجگاہ بن چکا ہے جو مرد و زن مانع نشو و نما پانے کے قابل نہ رہنے سے حالت معکوس میں ہے۔ درندگی محور قصاں ہے اور ہمد وقت گمراہ سے ہر لمحہ موت کی سی کیفیت پیدا کر رہا ہے۔ ہم مسلمان ہیں مگر اسلام کہیں نہیں ہے۔ جبکہ ایسے میں اسلام اور مسلمان قوم کو ایک تصور کر لینا بھی ایک بھول ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی پستی و زبوں حالی سے اسلام کے ناکام ہونے کا نتیجہ نکال لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک صاف و شفاف رواں ندی ہے جس سے جن اقوام نے سعی و عمل کے مطابق جز و اُبی سہی اپنی زمینوں کو

سیراب کیا اُن کی کھیتیاں اہلہا انھیں۔ مگر مکمل سفر فرازیاں و خوشگواریاں اس وقت نصیب ہوگی جب قرآن کے پروگرام کو پوری طرح نافذ کیا جائیگا۔ کیونکہ رب العالمین کا نظام ایک غیر منقسم وحدت ہے جسے کئی طور پر اختیار کیا جانا چاہیے۔ پھر جس کا جی چاہے ممکن العمل قرآنی نظام کو عملی پیکر میں لا کر خوشگوار نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی مملکت فلاحی ہو، مگر اسلامی مملکت یقیناً ایک فلاحی ریاست ہوگی جس میں اسلام دین ہوگا نہ کہ مذہب جو فرقوں کا باعث بنتا ہے۔ گویا ریاست ماں کا کردار ادا کر کے صحت، تعلیم، روزگار اور انصاف جیسی بنیادی ضروریات ہر ایک کو بلا امتیاز مہیا کرے گی۔

بہر کیف سود و زیاں کے جس معاشرے میں ہوس زر اور حصول زر انسانی زندگی کا مقصد بن چکی ہو اور اسلام کے عطا کردہ سیاسی و اقتصادی و معاشی و سماجی حقوق عوام کو حاصل نہ ہو رہے ہوں وہ اسلامی معاشرہ کیونکر ہوگا؟ خواہ اس میں حج، عمرے، صدقات اور ٹی وی پر درود و اسلام اور اذان کی نشریات کا مسلسل اہتمام ہی کیوں نہ کیا جا رہا ہو۔ جہاں **اول و آخر طاقت کی حکمرانی سے ریاست کے اندر ریاست قائم ہے** جس میں باہمی رشتہ داریوں میں منسلک بلا واسطہ و بلا واسطہ حکمران طبقہ اپنے بے نیاز اثر و رسوخ کی بدولت تمام مراعات ہمہ وقت حاصل کیے رکھتا ہو۔ جبکہ عوام معاشی عدم مساوات کے سبب زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہوں اور سیاسی استبداد پر مبنی فرعونیت، معاشی استحصال کی حامل قارونیت اور مذہبی اقتدار کی خواہاں ہامانیت انسانی عقل و فکر کو جکڑ رکھے۔ جہاں زندگی کیلئے دشواریاں اور درندگی کیلئے آسانیاں پیدا کر دی گئی ہوں اور **غلاظت میں لپٹے تو دن دو گنی رات چو گنی ترقی ترقی پائیں اور قانون و اخلاق کی پاسداری کرنے والے خود گھٹیاں کریں**، بھوکے مریں اور ریاست محض منظم استحصال کی صورت میں جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں کسانوں، مزارعوں، مزدوروں اور محنت کشوں کے استحصال کی آلہ کار بن کر اثر افیہ کی خدمت گزار بن چکی ہو، جس کی ترجیحات میں عوام پہلے نمبر پر نہ ہوں اور برسوں کی ملوکیت کے نتیجہ میں عوام بھی اپنے سیاسی و معاشی حقوق کی نسبت استحصال کے عادی ہو چکے ہوں تو اس کا نتیجہ یقیناً لائق، منافقت اور بے وفائی نکلتا ہے جو آج ہمارے سماج کی پہچان بن چکا ہے۔ بیشک منقسم قوم بھیڑ بکریوں کی طرح لوگوں کا ایک ریوڑ ہوتی ہے جو سیاسی و مذہبی دھڑوں میں بٹ کر بے ہنگم جھوم اُٹھیں گے، جس کے ذریعے عوام کو بیوقوف بنانے کی اہلیت اور جھوٹے وعدوں پر بہلانا، آج کی کمرشل سیاست میں کامیابی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسے میں قانون کڑی کے اُس جالے کی مانند بن جاتا ہے جس میں کیڑے مکوڑے تو پھنس جائیں مگر بڑے جانور اسے پھاڑ کر آسانی سے نکل جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ فلاح عامہ کے منافی مترفین کو زرعی اراضی بہادری کی بجائے ”استحقاق“ کے طور پر ملنے سے **پاکستان آفیسرز ویلفیئر ائلیٹ بن چکا ہے** جن کی آکاش بیل وطن عزیز کو نگل رہی ہے۔ **کرپشن زندگی کا معمول بن گئی ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے (2/188)**۔ مگر پھر بھی کبھی یہ نقد روپیہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، کبھی سفارش، ہدیہ اور تحفہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ کبھی نفع میں حصہ دار بن کر، تو کبھی منصب و ملازمت نواز نے کے روپ میں وارد ہوتی ہے۔ کبھی جنسی اختلاط کے متنوع مواقعوں کی لذت حاصل کرتی ہے اور مرغوب کھانوں اور پُر تکلف دعوتوں کے ذریعے پیٹ کی آگ بجھاتی ہے۔ جہاں **ظالم کو پناہ ملتی ہے اور مظلوم جبراً ظلم برداشت کرنے پر مجبور ہے**۔ الیکشن کے روپ میں سلیکشن ہوتی ہے، جہاں خدا کی پکڑ کا خوف، نہ عوام کو جواب دہی کا احساس ہے۔ انتخابات کی سرکسی مہم، میلے اور مسخرے انداز میں چلائی جاتی ہے جس میں یقیناً جو شبلی عوامیت نے بھی عریاں سیاست کو رواج دینے میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ جہاں بھاری اخراجات کے ساتھ مہنگی گاڑیوں اور ٹرکوں پر جلوسوں اور سطحی انداز میں بینرز، پوسٹرز، فلیکسز اور پلے کارڈز کی جھوٹی و متعصب تشہیر ہوتی ہے اور رائے دہندگان کا طرز عمل بھی کسی اصولی بنیادوں کے بغیر وقتی مصلحت اور شخصیت پرستی پر قائم مرکزیت، ذات برادری، مقامی و علاقائی عصبيت جیسی سطحی قدروں اور جذباتی خواہشات پر مبنی رواج کی شکل میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے مسائل قوانین کی بجائے مالی اور سیاسی و گروہی وابستگیوں کی بنیاد پر حل ہوتے ہیں۔ پارٹیاں سیاسی ضرورت و مجبوری کے تحت ووٹ حاصل کرنے کے لالچ میں عوام کی حقیقی رہنمائی کرنے کی بجائے اُنکی ناجائز خواہشات کا خیال اور اپنی جماعتی ترجیحات کو ہر حال میں مقدم رکھ کر بہت سی ناجائز مراعات عطا کر کے قومی خزانے پر بتدریج بوجھ بن جاتی ہیں۔ حالانکہ ووٹ بیچنا (یا خریدنا) بدترین بددیانتی اور ملک و قوم سے بغاوت ہے، بلکہ درست نظریہ کے حامل دیانتدار نمائندہ کو ووٹ نہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ **ووٹ دینے کی شرعی حیثیت ایک شہادت کی ہے** جس سے محض ایک سیاسی بارجیت اور دنیاوی کھیل تماشا سمجھ کر از روئے قرآن حقائق چھپانا یا جھوٹ بولنا حرام اور بہت بڑی غلطی ہے۔ شرعاً ایک ووٹر دراصل یہ گواہی دیتا ہے کہ اُسکا اُمیدوار اپنے نظریے، علم و عمل، قول و فعل اور دیانتداری و کردار کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے اُمیدواروں سے بہتر ہے جس کے اسمبلی میں پہنچ کر اچھے یا بُرے اقدامات کرنے کی ذمہ داری ووٹر پر بھی عائد ہوتی ہے اور وہ بھی اسکے ثواب یا عذاب میں برابر کا شریک تصور ہوتا ہے جس کے بھلے یا تابہ گن اثرات قومی و ملکی سطح پر پڑتے ہیں۔ **مرتبہ جمہوریت میں ہر اچھے بُرے کا ووٹ برابر مانا جاتا ہے اور ووٹر پر بھی کوئی تدخّل نہ ہے۔ جبکہ اسلام جاہل، جرائم پیشہ اور پرہیزگار کو برابر کا درجہ نہیں دیتا اور جس طرح اُمیدوار (لیڈر) سے قبل، ووٹر (عوام) پر (بھی) تدخّل لگاتا ہے (33/67-34/31)، ویسے ہی اقوام کو بھی تنبیہ کرتا ہے (28/58-27/69-25/73-23/24-22/45-7/38)۔**

لہذا **پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) آپ کو دعوتِ فکر و عمل دیتی ہے** تاکہ بے مثال عوامی عمل و قوت سے ہنگامی طور پر انقلاب برپا کرنے کے بعد اعتدال پر مبنی معاشرتی توازن و تناسب کے قیام کیلئے بتدریج ارتقائی منازل طے کی جاسکیں۔ اُمید ہے اسکے وحدنی نظام کا انتظامی و اقتصادی ڈھانچہ مربوط اور یکجہاں ہونے کے سبب عوامی خواہشات کے مطابق مڑتا چلا جائیگا اور ٹوٹنے و ٹکھرنے سے نہ صرف محفوظ رہیگا، بلکہ سماجی رجحان اور عقائد و نظریات سے متضاد بھی نہ ہوگا۔ اس جدوجہد کو باقاعدہ منصوبے کے تحت آگے بڑھانے میں آپ کے استفسار و رہنمائی سمیت آپ کا عملی تعاون بھی مطلوب ہے۔ **آپ کی شرکت و دلچسپی کے مد نظر ملک کے ہر کونے میں تحریک کے دفاتر قائم کر کے براہ راست رکنیت سازی اور عوامی رابطہ مہم شروع کرنے کا فیصلہ کیا جائیگا۔**

چنانچہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس اچھائیوں کا قحط اور برائیوں کا مسکن قرار پانے والی مروجہ جمہوریت کے برعکس دوسری جنگ عظیم کی تباہی کے بعد بہت سے دیگر ممالک سمیت جاپان میں 55 سال، ملائیشیا میں 1956ء سے، سنگاپور میں آزادی کے بعد سے ہنوز اور چین میں 1948ء سے لیکر آج تک ”یک جماعتی“ اقتدار کے تحت مہبوت کرنے والی تیز رفتار ترقی ہوئی ہے۔ اسلام میں بھی حق کے غلبہ کی حامل ”حزب اللہ“ کی جماعت اور باطل کی متنی شیطان کی پیروکار ”حزب الشیطان“ جماعت ہے۔ جبکہ کثیر الجماعتی نظام میں معاشرہ گروہی شکل اختیار کر کے فزوق اور لسانی و علاقائی بنیادوں پر انتہا پسند لشکروں میں بٹ جاتا ہے۔ اس لئے ”یک جماعتی“ سسٹم میں مشاورت کے ساتھ اراکین کا حق و انصاف کے مطابق دی گئی رائے کا فیصلہ درست ہوگا جس کیلئے اکثریت لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ جو بات اخلاقی معیار کے مطابق صحیح ہے، وہی صداقت ہے، خواہ اس کی تائید میں ایک ہاتھ بھی نہ اٹھے۔ اسلام اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ آپ ہر حال میں اپنی پارٹی کے ساتھ چپکے رہیں، خواہ وہ باطل پر ہی کیوں نہ ہو۔ اسلامی نظام معاشرت کا تقاضا ہے کہ جس بھی رائے کو آپ حق پر پائیں اس کا ساتھ دیں ورنہ اس سے اختلاف کریں۔ یعنی جماعتی عصبيت کا مظاہرہ نہیں کیا جائیگا اور وفاداری کی بناء پر جائز و ناجائز بات کی حمایت نہیں کی جائیگی اور جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالے اور مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے آپ گمان سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے (6/159)۔ مذہبی فرقے اور سیاسی پارٹیاں دونوں ہی قرآن کی رو سے خدا کا عذاب ہیں۔ کیونکہ اسلام میں کوئی فرقہ یا پارٹی نہیں (30/31, 32)۔ بیشک قرآن نے اختلاف اور افتراق کو عذاب عظیم قرار دیا ہے جو قوی اور ہنگامی نہیں بلکہ استمراری اور دوامی ہوگا۔ سورہ انعام کے مطابق پارٹی بازی عدالت خداوندی میں بہت بڑا سنگین جرم ہے۔ اس لئے ہر وہ فرد یا ادارہ جو اپنی قوت کو بلاستحقاق مستحکم رکھنے کیلئے ملک کے امن پسند باشندوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے باصلاحیت افراد کو کمزور اور ذلیل و خوار کرتے ہوئے نہ صرف غیر مؤثر بنائے، بلکہ جوہر سے عاری لوگوں کو ابھار کر فساد انگیز ناہمواریاں پیدا کرے تو ان کیلئے فرمایا کہ دین میں فرقے پیدا کرنے والے (30/30-31) اور مشرکانہ رسوم ادا کرنے والے مشرکین ہیں (4/119-121) جن کیلئے جہنم ہے (21/29, 98)۔ فرعون کا جرم باشندگان ملک کو پارٹیوں میں تقسیم کرنا تھا۔ تفرقہ انگیزی کا شرک جلتی گوسالہ پرستی کے شرک خفی سے بھی سنگین ہے۔ یہاں تک کہ تفرقہ کے فروغ کا سبب بننے والی مسجد بھی منہدم کرادی گئی تاکہ وہ کہیں اسلام کے قلعہ کی بجائے دشمن کی پناہ گاہ نہ بن جاتی۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے اختلافات کو مٹانے کیلئے آیا ہے۔ ہر رسول کا پیغام تھا کہ ”دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ کے نزدیک مت جاؤ۔ اجتماعیت کا حامل دین تو ایک ہی ہوتا ہے مگر فرقہ بندی سے وہ ٹکڑے ہو کر مذاہب میں تبدیل ہو جاتا ہے، جس میں ہر شخص خدا کی اطاعت انفرادی طور پر کرتا ہے۔ جبکہ قوانین خداوندی کے ساتھ وابستگی ایک اجتماعی عمل ہے اور دین کا اشتراک ہی اُمت واحدہ و وجہ جامعیت ہے، جس کے مطابق جب تک اُمت نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ پر قائم رہی، فرقوں میں نہ بنی۔

کہا جاتا ہے کہ جمہوری نظام کی کامیابی کیلئے حزب اختلاف ہو، مگر اسلام کہتا ہے کہ حکمرانوں کی مخالفت برائے مخالفت نہیں، بلکہ ان کا احتساب کرو اور شخصی یا خاندانی آمریت سے پاک ”یک جماعتی“ نظام کے تحت انسانی تکمیل کا اس انداز میں معاشرتی خاکہ تشکیل دو جو اپنی اصل کے اعتبار سے مذہبی، وجود کے اعتبار سے اخلاقیات کا پابند و پاسدار اور اسلوب کے اعتبار سے جدید ہو، جس کی ایک جھلک ”پاکستان تحریک اجتہاد (PTI)“ کے زیرِ تحریر، قابلِ تصحیح و توسیع منشور کے خاکہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

پاکستان تحریک اجتہاد (PTI) کے منشور کا اجتماعی طرزِ نظامت کا خاکہ؛

2- امام، مدرسہ اور ہمارا سماجی رویہ... تاریخ کے آئینے میں!

بیشک اسلامی ڈھانچے کا معمار امام اور استاد ہے جن کا معیار زندگی بیان کرتے ہوئے انتہائی ندامت ہوتی ہے۔ اس لئے دین فطرت کی رو سے آپ کی سنت کے بطور نائب و وارث عالم کو امامت و خطابت سمیت کائنات پر فکرم کرنے کے قابل بنایا جائیگا۔ کیونکہ عالم صرف مذہبی علم رکھنے والا نہیں بلکہ موجودات کائنات (دین) سے متعلق معاملات کی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہی عالم دانا اور لیڈر کہلائے گا۔ قرآن میں علماء کا لفظ صرف سورہ شعرا (197) و فاطر (28, 27) میں ایسے دو مقامات پر آیا ہے جہاں بادلوں کے مینہ برسانے اور انواع و اقسام کے پھل پیدا ہونے سمیت پہاڑوں، انسانوں، جانداروں اور مومنین کی سائنسی علم یعنی علم الفطرت کا احاطہ کیا گیا ہے جو طبیعات، نباتات، طبقات الارض، حیوانیات اور انسانیات کے متنوع شعبوں پر غور و فکر سے متعلق کائناتی و انسانی زندگی کے عملی گوشوں کا احاطہ ہے۔ اس لئے کائناتی قوانین کو سامنے رکھ کر ہر آن غور و فکر کرتے رہنے کو ہی دراصل قرآن نے ذکر و فکر سے تعبیر کیا ہے، یہی مومنین کا شعار ہے (45/3-6) جن کے سامنے نظام ربوبیت بے نقاب ہو کر رہ جاتا ہے، یہی متقیوں کی نشاندہی ہے جو کائناتی نظام پر غور و فکر اور اشیائے فطرت کی تحقیقات کیلئے عملی جدوجہد کرتے ہیں، اسی کو علم اور اس کے حاملین کو قرآن کی رو سے علماء کہا گیا ہے، جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں سائنسدان اور کائناتی مفکر کہا جاتا ہے۔ قرآن نے فرمایا ”خدا کی عظمت و ہیبت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کائناتی مظاہر کے خارجی پہلوؤں پر غور و فکر کر کے حقیقت ثابتہ ہونے کا یقین کریں“۔ گویا ”تخییر فطرت اور اتباع قوانین خداوندی کی دونوں شرائط پر پورا اُترنے والے ہی مومن و عالم کہلا سکتے ہیں“۔ لہذا تمام مساجد کو سرکاری تحویل میں لے کر ایک مخصوص تعلیمی معیار کے ساتھ ائمہ کرام مقابلے کے امتحان کے ذریعے منتخب کیے جائیں گے، جنہیں پبلک سروسز کی حیثیت سے درجہ اول کے ساتھ تمام مطلوبہ و جائز مراعات اور ضروری اضافی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ دوسرے ریاستی عہدیداروں کی درجہ بندی کی مانند ائمہ کے درجے بھی مقرر ہوں گے اور ان کی قابل قبول اور غیر متنازعہ ٹریننگ کیلئے قومی و بین المسلمین اکیڈمیاں قائم کی جائیں گی۔ مدارس و عمومی تعلیمی اداروں کے نیٹ ورک سے منسلک کر کے مستند یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ائمہ کا ہی مساجد میں تقریر یقینی بنایا جائیگا۔ ائمہ کو ایک ہی مسجد یا مدرسہ پر قبضہ کروانے کی بجائے دیگر سرکاری ملازمین کی طرح ملکی سطح پر نہیں تو کم از کم ضلع کی حد تک ان کے تبادلے عمل میں لائے جائیں گے، تاکہ لوگ مختلف ائمہ کے خطبے سننے کے سبب دین کو

الگ پہلوؤں سے جان سکیں۔ تاہم فتاویٰ، اکائیوں کی وساطت سے قومی سطح پر قائم قاضی صاحبان کی کمیٹی کے زیر نگرانی جاری ہو گئے۔ جس قاضی کو فتویٰ جاری کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی وہ دلائل کے ساتھ کمیٹی سے تحریری رجوع کریگا۔ جس پر کمیٹی جانچ پڑتال کریگی اور اگر مواد معیار پر پورا اترے گا تو کمیٹی فتویٰ جاری کر دیگی۔

3- انسان اور عبادت گاہیں... ہمارے کردار کے بدلتے ہوئے پہلو! پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) کے منشور میں مسلمانوں کا مسجد سے ناتا!
 بلاشبہ مسجد ایمان و یقین کی تجدید اور اللہ کی ربوبیت کے مسلسل اعتراف کا مقام ہے۔ یہ صرف حقوق اللہ، رسی عبادات یا مذہبی تقریبات کیلئے مخصوص نہیں، بلکہ حقوق العباد ادا کرنے کا مرکز بھی ہے۔ مگر صد حیف کہ مسلمانوں نے اسکے اصل مقاصد پس پشت ڈال دیئے ہیں۔ مسجد دراصل محلہ داری کی بحالی کے ساتھ ساتھ انفرادی و اجتماعی، معاشی و سماجی اور عالمی مسائل یعنی نکاح و شادی بیاہ، شرعی، روحانی، حربی و عدالتی، عوامی و سیاسی اور قومی و مقامی اجتماعات کا اعلیٰ ترین تربیتی مرکز ہے، جہاں خلفائے راشدین کے ادوار میں سیاسی و سماجی مسائل پر باہمی مشاورت کیلئے دعوت عام دی جاتی تھی۔ اُس وقت مسجد دعوت، عدالت اور سیاست کا مرکز تھی، جہاں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرنا، جہاد کیلئے مجتمع ہو کر لشکروں کا روانہ ہونا اور مجلس شوریٰ کی فیصلہ سازی کا عمل بھی شامل تھا۔ یہی مسلمانوں کے عروج کا دور تھا۔ مساجد کے مقاصد میں رائے عامہ کی جانکاری، آپس میں پیدا ہونے والی بیگانی کی دوری، معاشی و سماجی مساوات کا قیام، معاشرے کے طور طریقوں سے آگاہی، فیصلہ سازی کا ہنر، دینی و دنیاوی علوم کی درس و تدریس اور تربیتی لائبریریوں کے قیام کے علاوہ اہل محلہ کے احوال اور تازہ ترین حالات و واقعات سے واقفیت کا حصول شامل ہے۔ جب یہ سماجیات کا مرکز تھی تو محلہ اپنی حیثیت میں ایک جامع ادارہ تھا، جو حالیہ زمانہ میں بُری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ آج مسجد محض مذہبی منافرت اور فرقہ واریت پھیلانے کا سبب بن چکی ہے۔ ہمیں اسکی پہلی حیثیت اور نوعیت و کیفیت بحال کر کے ہر صورت میں رواداری کا ایسا ماحول پیدا کرنا ہے کہ تمام فرقے ایک ہی مسجد میں باجماعت نماز ادا کر سکیں۔ مساجد کی تعمیر کو کمیونیٹی کی ضرورتوں کے تحت باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ حکومت کی زیر نگرانی لایا جائیگا، تاکہ ملک بھر کی غیر قانونی، بے سلیقہ اور غیر شرعی مساجد کے حساس مسئلہ کو قوانین کے تابع لا کر اسپیکر ز پر، یا کسی بھی صورت میں چندہ اکٹھا کرنے جیسے افعالِ خبیثہ سرانجام دینے کی ممانعت ہو سکے۔ مساجد سے ملحقہ قائم ہونے والی مجوزہ اکائیاں سماجی و عالمی مسائل میں سلجھاؤ کے حصول میں مددگار ثابت ہوگی اور بروقت صحیح جوڑ کے ساتھ بلا مالی تفکرات، لڑکے لڑکی (بالغان) کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرانے میں والدین کی مدد و رہنمائی کیلئے کوائف کی تصدیق بذریعہ سرکاری خفیہ ایجنسی کروا کر متعلقہ ادارہ کی معاونت سے امور کی تکمیل کا سبب بنیں گی۔ اس سے یقیناً لواطت و بے راہ روی کا خاتمہ ہوگا۔ جبکہ نکاح کی رجسٹریشن اور حق مہر کی رقوم کو ہندسوں اور الفاظ میں درج کیا جانا، عورت کو اسکے والدین، بہن بھائیوں کی تحریری مشاورت سے مشروط طلاق کا حق تفویض کیا جانا قرین انصاف ہوگا اور میاں بیوی میں اختلافات مٹانے کیلئے فریقین کے نمائندگان پر مشتمل مصالحتی بورڈ تشکیل دیا جائیگا (4/35)۔ نیز نکاح نامے کا کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا جائیگا اور میاں بیوی کے وراثتی اثاثہ جات کی تفصیل بھی درج کی جائیگی۔ البتہ دیگر ممالک کی مانند ہمیں بھی اجتہاد کے ذریعہ لڑکے اور لڑکی کو وراثت میں برابر کا حصہ دار بنانے پر غور کرنا چاہیے جس کے تحت شادی یا طلاق کے بعد میاں بیوی از خود ایک دوسرے کی جملہ جائیدادیں برابر کے حقدار و شریک ہونگے جو خاندانی اکائی کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوگا۔ جبکہ دوسری، تیسری یا چوتھی شادی کرنے کی صورت میں پہلے قرآنی احکامات (4/3) سے رہنمائی لی جائے گی۔ جبکہ بیوی بچوں کی تفصیل کا (بعد کے) نکاح نامے پر درج ہونا بھی لازمی ہوگا اور شادی سے قبل مطلوبہ میڈیکل ٹسٹ کے ذریعہ صحت مند نسل کو یقینی بنایا جائیگا۔ بدلتے حالات میں خواتین کا اگر ملازمت کرنا خانگی ضرورت بن چکا ہے تو اُنکے فطرتی مسائل کے حل کیلئے حکومتی سطح پر مطلوبہ سہولتیں بھی مہیا کی جائیں گی۔ یعنی دفتری اوقات کار میں ملازمت پیشہ خواتین کے شیر خوار بچوں کا خیال رکھنے کیلئے آیارکھی جائیں گی۔

4- عوامی شمولیت سے خود مختار انتظامی اکائیوں کی تشکیل... پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) کے مجوزہ خود انحصاری نظام کی روح!!
 بیشک حقیقی حاکم اللہ کی ذات ہے، لیکن بطور نائب و خلیفہ فیصلہ سازی میں عوام برابر کی شریک ہوں گے، تاکہ عام فرد سمیت مقتدر اعلیٰ بھی غلطی پر جوابدہ ہو۔ انتظامی طور پر حفظ مراتب کا کچھ یہ تاثر ہوگا کہ ہم نفاق و تقسیم کی حامل مروجہ جمہوریت کی مانند سب قطار میں کھڑے ہونے کی بجائے اشتراک و اتفاق پر مبنی دائروی محیط میں ایک دوسرے کے بازو تھامے یوں مربوط ہونگے کہ کوئی آگے ہونہ پیچھے، اعلیٰ ہونہ ادنیٰ، بلکہ اقتدار کو عوام میں چلی سطح تک منتقل کر کے عام آدمی کو بلا واسطہ یا بلا واسطہ اقتدار میں شرکت کی ضمانت دیتے ہوئے یہ احساس دلایا جائیگا کہ وہ اپنے بُرے بھلے کی خاطر حالات کو بگاڑنے یا سناور کیلئے خود کچھ کر سکنے کا کلی اختیار رکھتا ہے۔ بیشک گاؤں، بستی اور گلی محلہ ہی وہ فطری سطح ہے جہاں کا ہر رہائشی اپنے ہمسایہ سے نسل در نسل، بخوبی واقف ہوتا ہے۔ یہیں پر بنیادی فیصلے ہونے چاہیں، جہاں عوام کی اپنی ایک خود مختار اکائی ہو، جو اپنے علاقے کی ترقی کی راہیں خود متعین کرے اور ہمہ وقت اپنے عوام کے سامنے جوابدہ ہو۔ اس اکائی کی جغرافیائی حدود کے اندر واقع تمام سرکاری و نیم سرکاری ادارے حسن کارکردگی کے حوالے سے عوامی دسترس میں رہیں گے۔ آبادی کے لحاظ سے نئی حلقہ بندیاں وجود میں لاکر گاؤں کی آبادی کے تناسب سے ہر قصبہ اور شہر کی حد بندی کرنے کے بعد قاضی صاحب کے بطور سرکاری ممبر سمیت متذکرہ باختیار بنیادی مقامی انتظامی اکائیاں، مذکورہ طریقہ کار کے تحت تشکیل دی جائیں گی جو ضلعی اسمبلی کے مربوط رابطے میں رہیں گی۔ اس طرح گاؤں، قصبہ اور شہر کی سطح پر قائم مطلوبہ تعداد (گیارہ ممبران) پر مشتمل ان اکائیوں میں سے ماسوائے صدر اور جنرل سیکرٹریز بالخصوص اور دیگر چھ نمبر تک کے عہدیدار بالعموم کے، ایک، دو، تین یا زائد ممبران مجوزہ طریقہ کار کے تحت ضلعی اسمبلی کیلئے منتخب ہونگے۔ جن میں سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ضلعی ممبر کی بجائے چند ممبران کو کمیٹی کی شکل میں ضلع کی نمائندگی کیلئے قومی اسمبلی بھیجا جائے۔ گویا ضلعی اسمبلیاں انہی مقامی اکائیوں میں سے مجوزہ طریقہ کار کے تحت چناؤ کا نتیجہ ہوگی۔ یہ طریقہ کار حکومتی ڈھانچے کیلئے ہوگا۔ تاہم تنظیمی ڈھانچے کیلئے اس ترتیب کے برعکس ذیلی اکائی کے صدر اور جنرل سیکرٹریز اپنے سے بالا اکائی کے ممبر ہونگے۔ اس نسبت دستور میں وضاحت کی گئی ہے۔ البتہ انتظامی ضرورتوں کے تحت جہاں ضروری ہو، وہاں اضلاع کی از سر نو تقسیم کی جاسکتی ہے۔ اسی طریقہ کار کو قومی اسمبلی تک توسیع دی جائیگی۔ ہر ضلعی اسمبلی کی مجموعی تعداد میں سے ماسوائے صدر اور جنرل سیکرٹریز بالخصوص اور دیگر عہدیدار بالعموم کے، ایک، دو، تین یا زائد اراکین کو مجوزہ طریقہ کار کے تحت منتخب کر کے قومی اسمبلی تشکیل دی جائیگی۔ اس طرح انتخابی عمل کے اس مربوط سلسلہ کے تحت مقامی اکائی،

ضلعی اسمبلی اور ضلعی اسمبلی اپنے سے بڑی قومی اسمبلی کے اراکین کا انتخاب کرے گی اور ایسی اسمبلیاں ہی سپریم ادارہ ہوگی۔ جبکہ مرکزی اکائی کا دفتر یعنی ملک کا دالال خلافت ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر باری باری ہر ضلع میں قائم کیا جاسکتا ہے۔ البتہ سینٹ کا وجود نہیں ہوگا مگر قومی، ضلعی اور مقامی سطح پر قومی مجلس مشاورت کی صورت میں معاونین خصوصی/محفل مدیران کے تھینک ٹینک ہوں گے۔

پاکستان تحریکِ اجتماع (PTI) کے نظام میں جائیداد کا جو معیار مقرر ہوگا اس سے زائد مال و دولت کا حامل یا غیر ذمہ دار و بدکردار شخص، ووٹر، اکائیوں کا ممبر یا عہدیدار نہیں بن پائیگا۔ تاہم لگا تار زائد ٹیکس دہندہ یا ملکی قرضہ اُتارنے، قومی زندگی میں نمایاں کارنامے و خدمات سرانجام دینے یا کسی بھی سطح پر نیک نامی کمانے والے افراد کو سینٹ کے متبادل قومی سطح کی مستقل اقتصادی و سلامتی مشاورتی کمیٹی، نیشنل سکیورٹی کونسل و تھینک ٹینک وغیرہ کا باعزت ممبر بنایا جاسکتا ہے، جن کو ملکی پالیسیاں وضع کرنے میں ویٹو کی حد تک اختیار دیا جاسکتا ہے جس پر حتمی نتائج پانے کیلئے بذریعہ اکائیاں اور متعلقہ یونینز، عوامی استصواب رائے کے عمل میں لایا جانا مشروط ہوگا۔ کیونکہ استصواب رائے کے ذریعہ عوامی خواہشات و رجحانات اور احساسیت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ جبکہ محض نمائندوں کے انتخاب کے ذریعہ، رائے دہندگان، اصولوں یا پالیسیوں پر موثر طریقے سے رائے زنی نہیں کر پاتے۔ اس لئے **ووٹر کا کسی ایک نمائندہ کے حق میں ووٹ ڈالنے کا عمل تمام قومی مسائل پر رائے زنی تصور کر لینا غلط ہوگا۔** ہمارے ہاں لوگ اصولوں یا مسائل پر رائے زنی کے عادی نہیں ہیں، بلکہ نام نہاد کارروائی صرف ووٹ ڈال کر اپنے حاکموں کے انتخاب تک محدود رہ کر ملکی و سیاسی معاملات میں عدم دلچسپی و جھوٹا شکار رہتے ہیں، جس کے خاتمہ کیلئے مقامی انتظامی اکائیوں میں استصواب رائے، حق ہدایت اور حق باطلی کے ذریعہ قوانین کو مقامی ضروریات کے مطابق ڈھالنا ہے، تاکہ عوام ہندرج سیاسی شعور کی پختگی کے حامل ہو جائیں اور سیاسی لیڈروں کے خوش گن وعدوں یا جذباتی نعروں سے کم اثر لیں۔ سورہ نور کے فرمان کی تعبیر کرتے ہوئے اہل ایمان کی جماعت کے ہر فرد کو حکومت میں برابر کا حصہ دار بنانے کیلئے برقی رائے دہی کے مربوط مرکزی نظام کے ساتھ عوام کو ہمہ وقت منسلک کر کے براہ راست قانون سازی کے عمل میں شریک کیا جائیگا، تاکہ لوگوں کی سیاسی مسائل میں دلچسپی بڑھنے کے ساتھ احساس ذمہ داری میں اضافہ، عزت نفس بحال اور خود اعتمادی پیدا ہو اور قوانین گروہی یا طبقاتی تعصبات کی بجائے قومی مفادات کے آئینہ دار ہو جائیں۔ اس طرح عمومی اقتدار اعلیٰ کے نظریہ کی بہترین ترجمانی ہوگی اور عوام اپنی مرضی کے قوانین بنوا کر خود با اختیار کنٹرولنگ اتھارٹی کی حیثیت سے اپنے جملہ امور کی اصلاح کیلئے بطور حاکم بیک وقت حزبِ اقتدار و اختلاف کا بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے ہمہ وقت حکومتی مشینری کا احتساب کر سکیں گے۔ فرمایا انسان اور قومیں مکافاتِ عمل کے تحت اپنے محاسب خود ہوتے ہیں (65/8, 3/3, 45/28)۔ خصوصاً ہمیں اللہ نے اُمتِ وسطیٰ بنایا ہے تاکہ نوعِ انسانی کے اعمال و کردار کے نگران رہیں اور ہمارا نگران مرکز، نظام خداوندی ہے (2/143)۔

یہی وہ پیمانے ہیں جن کے تحت افراد اور قوموں کی عمریں طویل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی ملک یا قوم کی عام (اوسط) طبعی عمر حفظانِ صحت کے اصولوں پر کاربند، عمدہ خوراک، غذاء، دیکھ بھال، وراثی اثرات، معاشرتی حالات، اعصابی سکون و توازن کے اسباب و علل، جنین کی مناسب حفاظت و پیدائش اور پرورش، علاج معالجہ کے انتظامات، حادثات اور امراض کی روک تھام کی تدابیر اختیار کرنے کی صورت میں معیارِ زندگی بلند کر کے بڑھائی جاسکتی ہے۔ فرمایا ”نہ کسی کو لمبی عمر ملتی ہے، نہ کسی کی عمر سے کچھ کم کیا جاتا ہے، بجز اس کے کہ یہ قانون (کی کتاب) کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہر شخص کی عمر کا تعین پہلے سے کیا جا چکا ہے تو پھر کم یا زیادہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر آیت ہذا، اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ عمروں کا تعین پہلے سے نہیں ہو جاتا اور طبعی زندگی، طبعی قوانین کے مطابق گزار کر انسان لمبی عمر پاسکتا ہے، وگرنہ گھٹا لیتا ہے۔ یہی وہ پیمانے ہیں جن کے مطابق قوموں اور افراد کی عمروں کا تعین ہوتا ہے۔ ہم نے تمہارے لئے موت کے پیمانے مقرر کر دیئے (ہیں) (56/60) جو چاہو انتخاب کر لو۔ البتہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو (2/195)۔ اس تاکید سے عمروں کے پہلے سے متعین ہونے کے تاثر کی نفی ہوتی ہے۔ میدانِ جنگ کیلئے سربفٹ لگنے والے سپاہیوں سے کہا کہ اپنی حفاظت کا پورا پورا سامان ساتھ رکھو (4/71)۔ اس طرح خطرہ کے عالم میں اجتماعِ صلوة کیلئے ایک گروہ کو دوسرے کی حفاظت کرنے کی ہدایت کرنا (4/102) وہ حفاظتی تدابیر ہیں جو متعین عمروں کی نفی کرتی ہیں۔ کیونکہ اگر سپاہی کو جو گولی لگتی ہی نہیں یا جس پر اس کا نام لکھا ہوا ہے تو اس سے وہ بچ نہیں سکتا اور یوں تو ایسی تدابیر کا بتانا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

بہر کیف خدا کی متعین کردہ حدود میں رہ کر گاؤں یا قصبہ کو کلی اختیار مقامی انتظامی اکائیاں بصورت ”انجمنیں/ اسمبلیاں/ پانچائیتیں/ کمیٹیاں یا مجالس“ میں سے کسی ایک نام کے ساتھ تشکیل دی جائیں گی جو نہ صرف مقامی سطح پر سماجی خدمت کی سیاست سے امور کی احسن تکمیل کیلئے بنیادی و جمہوری تربیت گاہ ثابت ہوگی، بلکہ مقامی سطح کے مسائل حل کرنے کے علاوہ قومی معاملات کے سلجھاؤ میں بھی استصواب رائے کی صورت میں بنیادی مشاورت مہیا کریں گی، تاکہ مقامی اکائیوں سے بننے والی ضلعی اکائیوں اور مرکزی اکائی (حکومت) کے کام کو انتہائی ہلکا کیا جاسکے۔ **ان عوامی (مصالحی) اکائیوں کے قیام کا مقصد لوگوں کو فوری اور سستا (بلکہ مفت) انصاف دلانا، نیم عدالتی کارروائی کے روپ میں اپنے معاملات خود طے کرنے اور تنازعات نمٹانے کی تربیت دینے کے ساتھ ساتھ ناؤی نظام کا خاتمہ کرنا بھی شامل ہے جس میں مخصوص شہرت و تجربہ کے حامل گھس بیٹھے افراد، شریف شہریوں کیلئے وبال جان بن کر معاملہ کو ختم کرنے کی بجائے اپنے مفادات کی خاطر طول دیئے رکھتے ہیں۔** جبکہ ہماری اسلامی و سماجی روایات کے مطابق قائم ہمارا پانچائیتی نظام انتہائی مثالی تھا اور اب بھی ہونا چاہیے جس کے مماثل امریکن جیوری یا پانچائیز اسیسز سسٹم میں بھی ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والی عوام، عدالتوں کی معاونت کر کے براہ راست عدالتی نظام میں شریک ہوتی ہے۔ سرکاری طور پر امریکن جیوری سسٹم کے تحت قانوناً کم از کم اٹھارہ سال کے بے داغ ریکارڈ کے حامل شہریوں کو مصنف بنا کر بلا امتیاز مذہب، نسل اور تعلیم و تجربہ سے بالاتر عدالتی فیصلے کرنے کے قابل بنانے کیلئے ثالثی حق دیا گیا ہے، تاکہ عدل و انصاف کی عدالتی کارروائی کو نہ صرف قریب سے دیکھنے کا موقع ملے، بلکہ اس کا لازمی حصہ بنا کر جج کو اپنی مکمل آزادی کے ساتھ رائے دینے کا پابند بنایا گیا ہے، بصورت دیگر کارروائی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ علاقہ کی ووٹر لسٹ سے ملکی سربراہ سمیت کسی بھی منتخب شدہ فرد کو جیوری ڈیوٹی کا قانونی حکم نامہ وصول ہونے پر وہ دی گئی تاریخ کے مطابق اپنے علاقہ کی عدالتی کارروائی میں شریک تصور ہوگا۔ شروع سے آخر تک مقدمے کی اس کارروائی کے دوران طالب علم کی درسگاہوں سے غیر حاضری کو شمار نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ملازمت اثر انداز ہوتی ہے، بلکہ تحفظ دے کر اعزازیہ بھی دیا جاتا ہے۔

چنانچہ پاکستان تحریکِ اجتماع (PTI) کے مجوزہ نظام میں ہر محلہ، کالونی اور گاؤں میں مقامی معزز بزرگوں پر مشتمل اکائیاں تشکیل دی جائیں گی جو ملکی انتظامی ڈھانچے میں شہد کی مکھوں کے چھتے کے خانوں کی مانند اندرونی طور پر (نیم) خود مختار ہونے کے ساتھ ساتھ کمپیوٹرائزڈ ٹیکنالوجی سے مطابقت پذیر ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ آن لائن یوں مربوط ہوں گی کہ وحدت کا نظارہ پیش کریں گی۔ الیکشن کمیشن کی نامزد کردہ انتخابی کونسل نامزد ممبران کی اہلیت کے بارے میں پڑتال کریگی اور دولت کے قائم کردہ معیار کے منافی ووٹرز اور امیدوار چناؤ میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔ عوام اُن اہل افراد کے نام بھی تجویز کر سکتی ہے جو خود حصہ لینے کی منشاء نہ رکھتے ہوں، مگر اہلیت کے حامل ہوں۔ کیونکہ رسولؐ نے فرمایا کہ ”امارت مانگ کر مت لو“ (بخاری و مسلم) اور یہ کہ ”اللہ کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو اپنی اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ (منصب) نہیں دیں گے جو خود مانگے یا اس کی خواہش رکھے“ (متفق علیہ)۔ جبکہ سقراط نے بھی کہا تھا کہ ”بادشاہ اُسے بناؤ جو نہ بننا چاہے“ اور ایسے ہی مسلم حاکموں کیلئے قرآن دُنیا و آخرت میں خوشخبریاں و خوشحالیاں بتاتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے گورنر متعین کرنے کیلئے خاص قوانین وضع کئے تھے جنہیں عہدہ ملنے کے بعد ایک خاص ضابطہ اخلاق کا پابند رہنا پڑتا تھا، تاکہ وہ حکومت میں آ کر حکمران نہ لگیں اور حکمران نہ ہوتے ہوئے حکمران لگیں۔ ان اقوال کے پیش نظر مقامی اکائی کی تشکیل سے قبل گاؤں کے عوام، مردوزن امیدواروں کے انتخابات لڑنے کیلئے، اہل یا نا اہل ہونے کا فیصلہ ہاں یا ناں میں رائے دے کر کریں گے، جس کے بعد اہل قرار پانے والے نامزد ممبران، باہم ایک دوسرے کے متعلق رائے دے کر اکائیوں کی تشکیل کا مرحلہ مکمل کریں گے۔ تاہم انتخابی مراحل کے آغاز سے اختتام تک کوئی کسی کو ووٹ دینے یا نہ دینے کے بارے میں قطعاً مکمل یا مادہ نہیں کریگا۔ بصورت دیگر ملوث ثابت ہونے پر ووٹر اور ممبر نا اہل تصور ہوگا۔ جبکہ مجوزہ نظام کے مکمل نفاذ کے بعد اعلانِ رائے شماری کو ترجیح دی جائیگی۔ تاہم مروجہ نظام میں ملازمین اپنی پسند ناپسند کی بنیاد پر ووٹ تو ڈال سکتے ہیں، مگر غیر فطری طور پر وہ حسبِ منشاء کسی جماعت کے رکن نہیں بن سکتے؟ جبکہ مجوزہ جماعتی نظام میں بلا امتیاز کوئی بھی شہری بیک وقت حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرنے کے قابل ہو (سکے) گا۔ اس طرح اکثریتی رائے سے بالائی درجہ پانے والے امیدوار مطلوبہ تعداد میں اسمبلی/مجلس/کمیٹی یا پانچابیت کے ممبران ہونگے، جن کی باہمی رائے دہی میں اولیت پانے والا اکائی کا سربراہ (صدر) ہوگا۔ رائے دہندہ نامزد ممبر، دوسرے نامزد ممبران کے متعلق رائے زنی کرتے وقت چناؤ کے مجوزہ فارم میں اپنے متعلق کسی بھی قسم کی کوئی رائے نہیں دیگا اور دی ہوئی رائے کے سامنے باقی مجموعی ممبران کی تعداد کے نمبر شمار کو ترتیبِ نزولی کے ساتھ الٹی گنتی کی شکل میں لکھ دیگا جو ممبران کے درجہ بدرجہ حاصل کردہ نمبر شمار ہونگے۔ مثلاً گاؤں کی عوام نے کھڑے ہونے والے مردوزن امیدواروں کے متعلق ہاں یا ناں کی صورت میں فیصلہ دے کر A، B، C اور D وغیرہ مطلوبہ اکائی کے نامزد ممبران انتخابات کیلئے منظور کیے ہیں جن میں سے ”A“ ممبر کی باقی نامزد ممبران کے بارے میں مجوزہ چناؤ فارم پر دی گئی رائے کی ترتیب“ یوں ہے۔

نمبر شمار	نامزد ممبر کا نام	دیئے گئے نمبروں کی معقول وجہ	حاصل کردہ نمبر
1	C	محبت وطن عالم ہے	3
2	D	تعلیم یافتہ مگر نوجوان ہے	2
3	B	جذباتی ہے	1

”B“ ممبر کی باقی نامزد ممبران کے بارے میں دی گئی رائے کی ترتیب“ یوں ہے۔

نمبر شمار	نامزد ممبر کا نام	دیئے گئے نمبروں کی معقول وجہ	حاصل کردہ نمبر
1	A	بین الاقوامی امور میں ماہر ہے	3
2	D	کم پڑھا لکھا ہے مگر دیانتدار ہے	2
3	C	قوت فیصلہ کا حامل مگر ان پڑھ ہے	1

”C“ ممبر کی باقی نامزد ممبران کے بارے میں دی گئی رائے کی ترتیب“ یوں ہے۔

نمبر شمار	نامزد ممبر کا نام	دیئے گئے نمبروں کی معقول وجہ	حاصل کردہ نمبر
1	A	عسکری معاملات میں عالمی اتھارٹی ہے	3
2	B	نظریاتی و جغرافیائی علوم کا ماہر ہے	2
3	D	انسان دوست ہے	1

”D“ ممبر کی باقی نامزد ممبران کے بارے میں دی گئی رائے کی ترتیب“ یوں ہے۔

نمبر شمار	نامزد ممبر کا نام	دیئے گئے نمبروں کی معقول وجہ	حاصل کردہ نمبر
1	B	عالم، مفکر اور دردمند دل کا مالک ہے	3
2	A	قوت فیصلہ کا مالک لیکن انتہا پسند ہے	2
3	C	درمیانے درجہ کا اعتدال پسند تعلیم یافتہ ہے	1

مجموعی رائے شماری میں A ممبر کے حاصل کردہ نمبر : 8 = 2+3+3

مجموعی رائے شماری میں B ممبر کے حاصل کردہ نمبر : $6 = 3+2+1$

مجموعی رائے شماری میں C ممبر کے حاصل کردہ نمبر : $5 = 1+1+3$

مجموعی رائے شماری میں D ممبر کے حاصل کردہ نمبر : $5 = 1+2+2$

اس طرح گاؤں، قصبہ یا شہروں کی مقامی اکائیوں کیلئے A، B، C یا D وغیرہ نامزد ممبران میں سے بالائی مقام حاصل کرنے والے مطلوبہ ممبران کی تعداد پر مشتمل مجوزہ نظام کی کلیدی اکائی یعنی مقامی اسمبلی تشکیل پانا جائیگی اور A ممبر کی طرح سب سے زائد نمبر حاصل کرنے والا ممبر اس بنیادی مقامی اکائی کا سربراہ (صدر) ہوگا۔ جبکہ دوسرے نمبر پر آنے والا نائب صدر، تیسرے پر جنرل سیکرٹری، چوتھے پر جوائنٹ سیکرٹری، پانچویں پر سیکرٹری مالیات (خزانہ)، چھٹے پر آنے والا سیکرٹری اطلاعات ہوگا۔ تاہم سیکرٹری نشر و اشاعت اور سیکرٹری سوشل میڈیا جیسے دیگر ٹیکنیکل عہدے موزونیت کے لحاظ سے صدر نامزد کریں گے جن کی منظوری مجوزہ طریقہ کار کے تحت متعلقہ تنظیم دے گی۔ یہ مجوزہ طریقہ کار تمام سطحوں پر ممبران کے چناؤ کیلئے اپنایا جائیگا اور اس کی مشق سرکاری و پریویٹ سطح پر تمام تعلیمی و تربیتی اور مذہبی اداروں اور جیلوں جیسے مقامات میں باقاعدگی سے کروائی جاتی رہے گی۔ جبکہ C اور D کی مانند ایک جیسے نمبر حاصل کرنے والوں کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔ تاہم حکومتی ڈھانچہ میں جس طرح مجوزہ طریقہ کار کے تحت منتخب ہونے والے مقامی اکائی کے صدور یا کوئی بھی دیگر منتخب ہونے والے عہدیداران، ضلعی اسمبلی کے رکن نہیں بن سکیں گے، بالکل ویسے ہی ضلعی اسمبلی کے منتخب صدور یا دیگر منتخب عہدیداران، مرکزی یا قومی اسمبلی کے رکن نہیں بنیں گے۔ البتہ مقامی اکائی کا ممبر جو ضلعی اسمبلی کا رکن منتخب کیا جائیگا، وہ باقی ممبران کی نسبت قدرے زیادہ پڑھا لکھا ہونا چاہئے۔ ایسے ہی ضلعی اسمبلی کا رکن جو مرکزی اسمبلی کا رکن چنا جائیگا وہ بھی ضلعی اکائی کے دیگر ممبران میں سے قدرے زیادہ شعوری بلوغت کا حامل پڑھا لکھا ہونا چاہئے۔ خصوصاً جب مجوزہ نظام میں ہر مردوزن کو یکساں مواقع میسر ہونگے تو ایسے میں سبھی ممبران کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہوگا اور خلافت میں خلاف اسلام وراثت کو فروغ دینے کی بجائے مسند خلافت کے حقدار کیلئے علم و دیانت کو معیار بنایا جائیگا۔ اس لئے جب تک تعلیم جیسی بنیادی سہولتیں سب مردوزن کیلئے یکساں طور پر مہیا نہیں ہو جاتیں تب تک آغاز میں محلے، شہر اور ملک کا نظم و نسق چلانے کا حق ان پڑھ غریب لوگوں کو بھی اتنا ہی ہوگا جتنا کہ پڑھے لکھے میرزادوں کو ہے، تاکہ ہر ایک کو اپنے اچھے بُرے اعمال کا ذمہ داری کے ساتھ احساس رہے۔

گویا حکومتی معاملات میں مرد اور عورتیں، دونوں برابر ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں۔ کیونکہ رسول کی وفات کے بعد ”امیر المعروف نبی عن المنکر“ پر عمل کروانے کے فریضہ رسالت کی ادائیگی حکومتی شکل میں بحیثیت جانشین پوری امت کے ذمہ مشترکہ طور پر عائد ہوتی ہے (3/110) اور حکومت قائم کرنا کسی ایک فرد یا پارٹی کا نہیں بلکہ پوری امت کا کام ہے (5-3/100) جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہونگے۔ جبکہ مجوزہ نظام کے مکمل نفاذ کی صورت میں ابتدائی مراحل کے بعد مقامی اکائی کا تجربہ رکھنے والا ہی آئندہ کیلئے ضلعی قومی اسمبلی کا ممبر بن سکے گا اور سربراہ مملکت سیاسی وابستگی و حمایت کی بجائے مجوزہ طریقہ کار کے تحت رائے دہی سے منتخب ہوگا۔ البتہ پاکستان تحریکِ اتحاد (PTI) کے وضع کردہ اکائیوں کے نظام ہذا میں مساوی بنیادوں پر تنظیم سازی کیلئے مرد اور عورتیں الگ الگ اپنی تنظیمیں تشکیل دیں گے اور حکومتی ڈھانچہ کیلئے ذیلی سے بالا اکائیوں میں مساوی بنیادوں پر کم از کم ایک مرد اور ایک عورت کے تناسب سے مجوزہ طریقہ کار کے تحت ممبران منتخب کر کے مقامی، ضلعی اور مرکزی (قومی) تنظیموں (اکائیوں) کا تنظیمی ڈھانچہ مکمل کیا جائیگا اور عوامی مسائل سے متعلق بالعموم، جملہ امور مردوزن کی اکائیوں کے مخلوط اجلاسوں میں طے ہونگے۔ تاہم مقامی اکائیوں کی خواتین کو اس حد تک استحقاق حاصل ہوگا کہ وہ عورتوں سے متعلق بالخصوص، بعض اخلاقی و حساس معاملات کی نسبت الگ سے بھی اپنے اجلاس بلا سکیں گی جس میں موقع مناسبت سے خواتین کی اکائی اگر ضروری خیال کرے تو تمام مسجد (قاضی) کو بطور سیکرٹری شامل کر سکتی ہے اور یہ گئے فیصلہ سے مردوں کی اکائی کے صدر کو اعتماد میں لے کر معاملات نمٹا سکتی ہے۔ بصورت دیگر مردوزن کی اکائیوں کے مشترکہ و معمول کے اجلاس میں کیس کی میرٹ پر حتمی فیصلہ کیا جائیگا جس میں سینئر نائب صدر خواتین کی مقامی اکائی کی صدر ہوگی جو صدر کی عدم موجودگی میں ایسے مخلوط اجلاسوں کی صدارت کر سکیں گی۔ گویا مردوزن کی الگ الگ پہچان کی حامل مقامی اکائیاں صرف مقامی سطح کی حد تک خواتین کے مخصوص و حساس معاملات کیلئے الگ تصور ہوگی۔ جبکہ ضلعی قومی اکائیوں میں مخلوط نمائندگی ہونے کی وجہ سے مردوزن پر مشتمل ان اکائیوں کے اجلاس مخلوط (اکٹھے) ہونگے۔ اکائیوں کے اراکین و عہدیداران اپنے فرصت کے لمحات میں (بھی) ملامت و مضام کرتے رہیں گے۔ یعنی اپنے علاقوں تک محدود رہ کر اپنی نجی گھریلو کاروباری زندگی کو متاثر کیے بغیر وقت کی قید یا کسی سرکاری وغیرہ سرکاری چھٹی ہونے کے باوجود عوامی مسائل کے فوری حل کیلئے لوگوں کی پہنچ میں ہمہ وقت میسر رہ کر ہنگامی اور معمول کے امور موقع پر باآسانی نمٹا سکیں گے۔ اس طرح ”عوام کا سرکاری اداروں سے براہ راست رابطہ منقطع کر کے انفارمیشن ٹیکنالوجی کو استعمال میں لاتے ہوئے پبلک سیکٹر کے متعلقہ جملہ امور مقامی اکائیوں کے ذریعے تعین شدہ دورانیہ میں انجام دیے جائیں گے کہ کرپشن کا از خود خاتمہ ہو کر اصلاح پر مبنی خود احتسابی کا لالہ جواب اجتہادی نظام وجود میں آجائیگا۔“ اکائی ممبران کو معمولی اعزاز یہ کہ علاوہ صرف کسی سرکاری سلسلہ میں اپنے علاقہ سے باہر جانے کی صورت میں ہی طے شدہ سفری الاؤنس دیا جائیگا۔ قاضی صاحبان اپنی قابلیت و گریڈ کے مطابق سرکاری مشینری کا باقاعدہ حصہ ہونے کی بناء پر تنخواہ بشمول الاؤنسز یا مراعات حاصل کر پائیں گے۔ تاہم اسمبلیوں میں پہنچنے والے تمام اراکین و عہدیداران کو سیاست، معیشت، تجارت، سفارت اور ملکی و بین الاقوامی تاریخ کی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کرنا ہوگی۔

مقامی اکائیوں کے مرکزی صدر دفاتر اسی علاقے کی جامع مساجد کے ساتھ منسلک و ملحقہ ہونگے، اور تمام ذیلی مساجد و مدر سے بھی جامع مسجد کی انتظامیہ کے زیر نگرانی رہیں گے۔ تاہم تمام دفاتر ایک ہی چھت کے نیچے لانے کی کوشش کی جائیگی جس میں اعلیٰ سے ادنیٰ ملازمین کے دفاتر کے درمیان سے دیواریں ہٹا کر ان کو ہال نما بلڈنگز میں بالترتیب بٹھا دیا جائیگا جن کے سامنے سائیلن متعلقہ فائلوں پر اپنی موجودگی میں کھلے عام کارروائی ہوتی دیکھ سکیں گے۔ جبکہ داش رومز و کمپن جیسی سہولتیں بھی مشترک ہونگی تاکہ صفائی ستھرائی کا ہر وقت معائنہ ہونے سے ایسے مقامات صاف رہیں۔ سالمیت کے معیار پر پورا اُترنے والے اہم حساس اداروں کو اکائیوں سے مربوط کر کے براہ راست ضلع و مرکز سے منسلک کر دیا جائیگا۔ یعنی ہر درجہ اکائیوں کے صدر اپنے اپنے علاقے کی صورتحال سے ہمہ وقت آگاہی کیلئے اپنی اپنی خفیہ اطلاعاتی ایجنسی تشکیل دیں گے۔ ایک حلقہ یا گاؤں میں ایک سے زائد افراد ان ایجنسیوں میں رکھے جاسکیں گے اور اطلاعات میں

تصادی صورت حال پیش آنے پر متعلقہ علاقہ اور معاملہ کو مزید توجہ دی جائیگی۔ البتہ ایک فرد بیک وقت ایک ہی اکائی کے ساتھ منسلک ہوگا۔ تاہم مفاد عامہ کی خاطر بالا اکائی کیلئے معلومات شیئر ہو سکیں گی۔ نیز اکائی کے متعلقہ حلقے سے کوئی بھی شخص خفیہ یا اعلانیہ اطلاع متعلقہ اکائی کو پہنچا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں انفرادی طور پر یعنی برحقاً نقل اطلاع پہنچانے والے غیر سرکاری فرد (افراد) کو اعزازیہ بھی دیا جائیگا۔ خصوصاً اس صورت میں اسے مزید بڑھا دیا جائیگا جب انجینیسی کی اطلاع غلط ثابت ہوگی۔

علاوہ ازیں مقامی، ضلعی اور مرکزی سطح کی کسی بھی اکائی کو مطلوب کوئی مفروضہ اشتہاری، شریپند، جاسوس، دہشت گرد، منشیات فروش، سمگلر، خطرناک ڈاکو لیٹیرایا اغوا شدہ اور گھر سے بھاگے ہوئے شخص کی آن لائن بھیجی گئی تصاویر متعلقہ معلومات کے حاصل کردہ پرنٹس کو ملک میں موجود تمام مقامی اکائیاں مساجد اور چوراہوں پر آویزاں کر کے اعلانات و منادی کے ذریعے چند لمحوں میں فوری بازیاب و گرفتار کر سکیں گی۔ اس طرح کوئی نو وارداتیہ، مشتبہ وارد دہشت گرد جاسوس محلے یا گاؤں میں نہ رہ سکے گا اور بہت سی حساس ایجنسیاں غیر ضروری متصور ہو کر ختم ہو جائیں گی۔ تاہم ہر اکائی کے علاقہ میں مرکزی مقتسب اور خفیہ انجینیسی کے اہلکار بھی ہونگے جو اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ انہیں بھی پہنچنے والی تصاویر/ احکامات پر اُنکے علاقہ کی مقامی اکائی نے فوری عملدرآمد کر لیا ہے، بصورت دیگر باز پرس کی جاسکے گی۔ مروجہ نظام میں نشاندہی کرنے والے کی بجائے کرپشن میں ملوث افراد گرفت میں آئیں گے۔

پیش پاکستان تحریک اجتہاد (PTI) کے مجوزہ نظام میں قرآنی حکم کے تحت یہ مقامی اکائیاں اپنے اپنے علاقوں میں بچوں سمیت مردوزن کا تعلیم، عمر، قوم، ذات، پتہ، کردار کی خصوصیات، بلڈ گروپ، صحت و بیماری کے ساتھ ہمہ وقت ڈیٹا آپ ڈیٹ رکھ کر تمام مکانات اور مکینوں کے مکمل کوائف مستقل اور مسلسل بنیادوں پر ریکارڈ کرتے ہوئے تازہ ترین مردم شماری کے پیچیدہ مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حل کر رکھیں گی۔ اگر کوئی فرد اپنی متعلقہ اکائی سے مستقل، جبر کر جائیگا تو نئی جگہ رائے شماری کا حق استعمال کرنے کیلئے اُسے اپنی بنیادی سابقہ اکائی سے این اوسی حاصل کرنا ہوگا اور اس فرد کے متعلق جملہ ریکارڈ اُسکی نئی مقامی اکائی کے پاس منتقل ہو جائیگا جس کی ایک مصدقہ کاپی پہلی اکائی اپنے پاس محفوظ رکھے گی۔ جرائم اور ہمہ قسم واقعات کی صحیح رپورٹنگ ریکارڈ پر آسکے گی جس سے ضروری تدابیر اپنا کر بروقت اصلاح احوال ممکن ہو سکے گی۔ یہی مقامی اکائیاں پانچ سال کے بچوں کو سکول بھیجنے، بے روزگاروں کو اُنکی قابلیت کے مطابق متعلقہ ادارہ کی معاونت سے پرائیویٹ و سرکاری سطح پر ملازمت دلانے یا بے روزگاری الاؤنس مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ البتہ اس نسبت متعلقہ مقامی اکائی سے NOC حاصل کرنا لازمی ہوگا تاکہ بے روزگاری الاؤنس کی ترسیل میں بے ضابطگی کا عنصر پیدا نہ ہو سکے۔ مجوزہ نظام کے رائج ہو جانے پر عوام کو بھی خواص کی طرح دھیرے دھیرے معاملات نمٹانے کی سوجھ بوجھ آتی جائیگی۔ عوام اور سرکاری ملازمین کے بالخصوص ملکی و عالمی سطح پر سفری NOC سمیت از قسم جائیداد خرید و فروخت جیسی تمام تر دستاویزات کی تکمیل کو مقامی اکائیوں کی تصدیق (NOC) سے مشروط کیا جائیگا۔ یوں کوئی بھی نو سر دھوکے باز اور فراڈ یا از خود ناجائز ذرائع سے جعلی دستاویزات بنا کر ملک سے باہر سفر کرنے یا اپنی پراپرٹی کے گوشوارے چھپانے یا کم و بیش ظاہر کرنے کی کوشش کریگا تو اس نسبت فوراً ہی متعلقہ مقامی اکائی جہاں سے وہ کاغذات تیار کروائے ظاہر کیے گئے ہونگے، ہسپتال کرنے والے دفتر کیلئے قطع نظر وقت یا چھٹی کے متعلقہ اکائی سے آن لائن جیسے جدید ذرائع کے ذریعے حقائق کی تصدیق کسی بھی لمبے بیٹھے بٹھائے ممکن ہو سکے گی۔ کیونکہ ایسا ریکارڈ اکائی کی جانب سے آن لائن آپ لوڈ کیا جا چکا ہوگا جو متعلقہ فرد کے شناختی کارڈ نمبر کے درج کرنے سے سامنے آجائگا۔ اسی طرح حکمرانوں، جنرلوں، ججوں اور پیورو کرٹس سمیت تمام سرکاری مشینری کی ابتدائی تعیناتی کو بھی اُنکی جملہ جائیداد سے متعلق تفصیلی گوشوارے مہیا کرنے سے مشروط کر دیا جائیگا، جو مقامی اکائیوں نے قرآن کی ہدایت کے مطابق وقت و ولادت سے ہی اپنے اپنے افراد کے متعلق اُنکی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد و بینک بیننس وغیرہ کے اعداد و شمار پڑھنی جملہ ریکارڈ ایسے قائم کیا ہوگا، جس طرح کہ ”روز قیامت کو ہر شخص کا پیدائش سے موت تک (ماضی و حال) کا کھلا اعمال نامہ کتابی شکل میں اُسکے گلے میں لٹکا ہوگا۔ فرمایا ظہور نتائج کے وقت (دنیا و آخرت میں) اپنا اعمال نامہ پڑھ کر حساب لگانے کیلئے انسان خود ہی کافی ہوگا“ (17/13-14, 19/79, 21/94, 78/29, 36/12, 58/6-7, 13/9, 50/1) اللہ ہی ہے جو رات کو تمہاری رُوحیں قبض کرتا ہے، بقیہ زندگی پوری کرنے کیلئے تمہیں دن کو جگاتا ہے اور جانتا ہے کہ دن (رات) تم کیا کرتے ہو۔ آخر کار تم نے جب اُسی کے پاس جانا ہے تو وہ بتائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اللہ کرنے والے ہر پتہ اور بُر و محراور ان کی تاریکیوں میں موجود ہر غیب کا علم رکھتا ہے جو کھلی کتاب میں تحریر ہے۔ جنہیں اُس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا (59-60/6)۔ گویا انسان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہتا (86/4)۔ اور ایسے ہی مقامی اکائی کی حدود میں پیدا ہونے والے مردوزن کے متعلق اُنکی پیدائش سے لے کر وفات تک کھولی گئی فائل سے تمام اعمال نامہ ہر وقت متعلقہ شخص سمیت سب کے سامنے ہوگا۔

البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات زمان و مکان کی نسبتوں سے بلند ہونے کے ناتے کسی مخصوص جگہ پر مقیم نہیں ہے کہ اُس کی طرف جانے سے مراد کوئی خاص مقام لیا جائے۔ اس لئے کسی انسان کا اس کے پاس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور خدا کی طرف جانے سے مراد، اُس کے قانون مکافاتِ عمل کے مطابق ظہور نتائج ہے خواہ وہ اس دنیا میں ہو، چاہے مرنے کے بعد کی زندگی یا سونے کے بعد اُٹھنے پر جو ابدی کی صورت میں ہو (6/60)۔ بیشک ”تو نے بھی مرنا ہے، انہوں نے بھی مرنا ہے“ (39/31)۔ تم مردہ تھے اُس نے تمہیں زندگی عطا کی۔ تم پھر مر جاؤ گے اور اُس کے بعد تمہیں پھر زندگی ملے گی (2/28)۔ گویا دو موتیں اور دو زندگیاں دی گئی ہیں (40/11)۔ چونکہ موت کے بعد انسانی جسم منتشر ہو کر کسی نہ کسی شکل میں کُترہ ارض کے مادی اجزاء میں مل کر نئے ارتقاء پذیر پیکر کا روپ دھار لیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ خدا نے تمہیں زمین سے نباتات کی طرح اُگایا۔ پھر تمہیں اسی میں لوٹا دیتا ہے اور پھر تمہیں (جدید انداز میں) دوبارہ نکالے گا (18-17/7, 71/17-22/7)۔ فرمایا تمہارے پیکروں کو بدل دیں اور تمہیں ایسی کیفیت کے ساتھ زندہ کریں جسے تم اس وقت سمجھ نہیں سکتے (61-60/56)۔ کیونکہ جس طرح حیات کا آغاز مادی قوانین کی پیداوار نہیں بلکہ امر اللہ تھا، ویسے ہی مرنے کے بعد کی زندگی طبعی قوانین کی بجائے امر اللہ سے ہی ظہور میں آئے گی۔ البتہ فرمایا ”تم اس زمین پر زندگی بسر کرو گے۔ اسی میں تمہیں موت آئے گی اور اسی سے تم پھر حیات نو حاصل کر کے (شاید اولاد کی صورت میں) نکالے جاؤ گے (7/25)۔ یعنی تمہیں ہم نے زمین سے پیدا کیا، اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور پھر اسی سے تمہاری تخلیق نو (تجدید حیات) ہوگی (20/55)۔ تاہم اُس زندگی میں یہ انسانی پیکر نہیں ہوگا۔ وہ اس قسم کی تخلیق (نشأۃ ثانیہ) ہوگی جسے تم اس وقت سمجھ نہیں سکتے۔ جس طرح کہ بیج کے اندر خوابیدہ شکل میں موجود

زندگی کو، جو مشہود ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کہ انسان اولاد پیدا کر کے مر جاتا ہے جو نسل در نسل ارتقائی مراحل کے تحت باقی رہتی ہے اور اگر مرنے والوں نے دنیا کو متشکل نظام کے تحت جنت بنایا ہوتا ہے تو ان کی اولادیں بھی ابدی جنت کے مماثل آرام دہ زندگی گزار سکتی ہیں۔ گویا تمثیلاً آخرت سے مراد اولاد کی صورت میں اچھی دنیا کی زندگی بھی تصور کی جاسکتی ہے۔ تاہم حصول جنت چاہے دنیاوی ہو یا اخروی (55/62) انفرادی چیز نہیں، بلکہ یہ ایک اجتماعی پروگرام ہے جس کیلئے ایک جماعت کی تشکیل ضروری ہے (30-89/29)۔ بلاشبہ قرآن کریم انفرادی زندگی کی بجائے اجتماعی زندگی سکھاتا ہے۔ کیونکہ فرد کی صلاحیتوں کی نشوونما اور اس کی ذات کی بالیدگی اجتماعی نظام ہی میں ممکن ہے۔ قرآن کی ساری تعلیم اجتماعی پروگرام کی تکمیل کیلئے ہے اور آپ کی مانند آپ کے متبعین اپنے اعمال صالح سے اطاعت رسول اللہ کی شکل میں عالمگیر انسانیت کیلئے حصول جنت کی بنیادی شرط پوری کر سکتے ہیں (48/17، 4/13)۔ لیکن ”اصول پرستوں اور مفاد عاجلہ کے خواہاں مادہ پرستوں میں حق و باطل کے باہمی ٹکرائو کی کشمکش میں اصول پرست اس لئے شکست کھا جاتے ہیں کہ غلط معاشرہ میں باطل پرست افراد ایک متحدہ محاذ کی شکل اختیار کیے ہوتے ہیں اور اصول پرست انسان الگ الگ انفرادی زندگی بسر کرتے ہیں جس سے یکساں طور پر قوی تباہی سب کو بلا امتیاز اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے جس میں اچھے اور بُرے، حتیٰ کہ مومن و کافر میں بھی کوئی تمیز و تفریق نہیں رہتی۔ کیونکہ زندگی طبعی قوانین کے تابع ہوتی ہے۔ لہذا صحیح اسلامی زندگی کے تحت حق پرست افراد جماعتی زندگی بسر کریں تو متحدہ طور پر باطل پرستوں کے ہر محاذ کا مقابلہ کر سکیں گے۔ خصوصاً اس ناظر میں کہ فرد تقدیر کے ہاتھوں مجبور نہیں ہوتا، وہ معاشرہ کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے اور قرآن کریم بھی اجتماعی زندگی کی اصلاح پر زور دے کر افراد سے کہتا ہے کہ وہ تقدیر کا ردنا کرنے کی بجائے معاشرہ کو صحیح (قرآنی) خطوط پر متشکل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ معاشرہ کے بدل جانے سے افراد کی تقدیریں خود بخود بدل جائیں گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم وہی چاہو جو خدا چاہتا ہے۔ تم اپنی آرزوؤں کو مشیت خداوندی (قوانین فطرت) سے ہم آہنگ رکھو (81/29)۔ یہی وجہ ہے کہ تقدیر کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہاں! میں خدا کی ایک تقدیر سے اس کی دوسری تقدیر کی طرف جارہا ہوں“۔ یعنی اپنے اختیار و ارادہ سے قوانین خداوندی کی اطاعت کرنا ہی تقدیر کا مفہوم ہے۔ کیونکہ عالم امر میں خدا کی مشیت کا فرما ہے جس میں انسان دخل دینے کے قابل نہیں ہے۔ جبکہ عالم خلق (کائنات) میں انسان کو صاحب مشیت (صاحب اختیار و ارادہ) بنایا گیا ہے، جس میں اللہ اپنے لامحدود اختیارات کے باوجود دخل نہیں دیتا۔ گویا از خود اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لینے سے اس کے اختیار و ارادہ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس لئے جب خدا نے از خود اپنے امر و مشیت کو قانون کے پیمانوں میں مقید کر دیا، تو اس سے اللہ کے صاحب اختیار و ارادہ ہونے میں کوئی کمی نہیں آتی۔

مقامی اکائیاں نجی و سرکاری ضرورتوں کے تحت اپنے مستقل رہائشی باشندوں کا جو ملکی سطح پر ادنیٰ و اعلیٰ جملہ سرکاری مشینری کا بھی حصہ ہو سکتے ہیں، ان کی جائیدادوں سمیت دیگر اترقیم تازہ ترین مشمولات کا تمام ریکارڈ ہر وقت تیار کر کے مکمل رکھیں گی۔ جس اکائی کی حدود میں جائیداد واقع ہوگی، وہی اکائی محکمہ مال کے اہلکار (پنوری) کی معاونت سے جائیداد کی منتقلی جیسے جملہ فرائض انجام دیگی۔ یعنی پنوری ایک یا دو دن صدر دفتر، جبکہ ہفتہ کے باقی دن حلقہ کے متعلقہ چوک میں گزارے گا، جہاں وہ فرد کے حصول یا رجسٹری و انتقال کی غرض سے اکائی دفتر میں عوام کی جمع کروائی گئی جملہ درخواستوں پر امام کی موجودگی میں فوری کارروائی عمل میں لائیگا۔ گویا جائیداد کی خرید و فروخت کرنے والے فریقین کی مقامی اکائیوں سے این اوسی حاصل کیا جائیگا اور منتقلی کی اطلاع متعلقہ اکائیوں کے آن لائن کمپیوٹر ریکارڈ پر لائی جائیگی، تاکہ ہر پاکستانی کا تازہ ترین گوشوارہ مکمل رہ سکے اور یقیناً ایسے میں پانامہ اور بہاماس لیکس جیسی خرافاتوں کے مواقع بھی میسر نہیں آسکیں گے۔ تاہم یہ مجوزہ نظام لاگو ہونے پر سب کو ایک موقع دیا جائیگا کہ وہ اپنی اپنی جائیداد کو ریکارڈ پر لے آئیں۔ بصورت دیگر ریکارڈ پر نہ آنے والی جائیدادیں بحق سرکار ضبط تصور ہوگی۔ جبکہ فرد واحد کو ایک سے زائد مکان یا پلاٹ (جائیداد) خریدنے کی ضرورت کیونکہ پڑنے اور اس کیلئے جمع کردہ دولت کی مقبول وجہ اکائی کو تحریر کرنا ہوگی جس کی تصدیق کی جائیگی، تاکہ منافع خوری کی حوصلہ شکنی ہو اور غریبوں کو بھی پلاٹ یا چھتیں میسر آسکیں۔ بینکوں میں اکاؤنٹ کھلوانے کیلئے بھی جائیداد کی خرید و فروخت کی طرز پر ہر عام و خاص کو اپنی اپنی مقامی اکائیوں سے این اوسی حاصل کرنا ہوگا۔

یہ کلیدی وحدتیں اپنی حدود میں بسنے والوں پر بوقت ضرورت موافق و مناسب ٹیکس عائد کر کے ضلعی ریونیو جمع کریں گی اور پھر انہیں اپنے گاؤں، قصبہ یا علاقہ کی تعلیمی/طبی/رسل و رسائل اور دوسری معاشرتی ضرورتوں پر خرچ کر سکیں گی۔ ہر اکائی سرکاری طور پر دفاتر سے ملحقہ مہمان خانے کا انتظام کرے گی جہاں ہنگامی حالات میں کوئی بھی پاکستانی اور ان کا واقف کار ملکی و غیر ملکی مہمان، طالب علم اور مسافر جس کا وہاں کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہو، دوران سفر رات پڑ جانے پر مقامی اکائی کا مہمان بن کر ٹھہر سکے گا۔ مقامی اکائیوں کی جانب سے بھیجی گئی ترجیحات کی روشنی میں تعمیر و ترقی جیسے امور ضلعی اسمبلی کی مالی و فنی معاونت اور محکمہ سرکاری مشینری کی وساطت سے سرانجام پائیں گے جن بزرگی ادائیگی، مقامی اکائیوں کی تسلی بخش رپورٹ ملنے پر ہی ضلعی اکائی کر سکے گی۔ جبکہ باہمی لین دین بھی مقامی اکائیوں کی ہی معاونت سے طے پائیں گے، تاکہ کاروباری معاہدے ریکارڈ پر آنے سے باہمی لڑائی جھگڑے، قتل و غارت جیسے سنگین جرائم وقوع پذیر نہ ہونے پائیں اور سٹے بازی کو جرم قرار دینے سے بڑے پیمانے پر مختلف طریقوں سے ہونے والا ادھار کا لین دین بھی بند ہوگا اور ملک کی معاشی رفتار میں بھی ٹھہراؤ آنے سے اسلامی نظام معاش جیسی متوازن طرز زندگی وضع ہوگی۔ یعنی متعلقہ کاروبار کی تربیت کے اہتمام کے ساتھ قرضوں کی بجائے کاروباری مواقع بڑھائے جائیں گے، تاکہ کسان، مزدور اور کاروباری افراد اپنی پیداواری صلاحیتوں کو بہتر بیع فروغ دے کر از خود وسائل پیدا کر سکیں۔

اسکے علاوہ اسٹاک ایکسچینج میں بھی مختلف ناموں سے بینک کے چیکوں کی صورت میں اور نقد دلالی سے کی گئی روزانہ کی خرید و فروخت کے گوشوارے طلب کیے جائیں گے، جن کی نقل مرکزی محکمہ انکم ٹیکس کو بھیج دی جائیگی، تاکہ حکومت کے محاصل میں معتد بہ اضافہ ہو سکے۔ انجینئرز اور ڈاکٹرز وغیرہ کے ہاؤس جاب کیلئے تمام سرکاری و پرائیویٹ فرموں، ٹھیکیداروں اور ہسپتالوں کو شیڈول کے تحت پابند بنایا جائیگا اور ملازمتوں میں متعلقہ شعبہ ہی کو ترجیح دی جائیگی۔ یعنی ایک ڈاکٹر یا انجینئر اپنی فیلڈ چھوڑ کر صوبائی یا وفاقی سپریمیزرومنز کے مقابلے کا ٹیسٹ دے کر انتظامی آفیسر نہیں بنے گا، جس سے اس کی اپنی پیشہ ورانہ مہارت ماند پڑ جائے، اور اس کی تعلیم و تربیت پر جس مقصد کیلئے اخراجات کیے گئے تھے وہ رائیگاں دکھائی دیتے محسوس ہوں۔

ہمیں احتجاج یا جلوس کی بجائے دعوت کی صورت میں مسجد کو بطور دیہی و شہری مرکز استعمال کر کے ایک ضابطہ متعارف کروانے کی ضرورت ہے۔ یہ سب اس لئے بھی ضروری ہے کہ مروجہ نماز و

زکوٰۃ کے عمل کی ہماری معاشرت کے ساتھ مطابقت اور عملی زندگی کے تقاضوں سے یوں تطبیق پیدا ہو سکے کہ دین اور دنیا، دونوں بیک وقت پورے ہوں۔ ہر گاؤں اور محلہ کے علاوہ تمام اداروں کیلئے بھی حکومتی سرپرستی میں مساجد قائم کی جائیں گی اور نماز کے وقت تمام سرکاری و نیم سرکاری اور پرائیویٹ کاروبار زندگی معینہ مدت کیلئے معطل کر کے نزدیکی مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی سہولت دی جائیگی، تاکہ کسی بھی انفرادی و اجتماعی پیشہ ورانہ مسائل کے حل یا تجاویز کی پیشرفت کے متعلق محکمانہ کارروائی میں جمود یا عدم شنوائی کی صورتحال پیدا ہونے پر قواعد و ضوابط کی حدود میں رہ کر ملازمین کو (بھی) امام مسجد کی زیر سرپرستی، جہتند ماحول میں جامع منصوبہ بندی کی اجازت ہوگی، جس پر امام صاحب کی وساطت سے متعلقہ اکائی یا مجاز اتھارٹی سے تحریری رجوع کیا جاسکے گا۔

خود مختار مجوزہ اکائیوں کی صورت میں کمیونی سٹم رائج کر کے عوام کی خواہشات کے عین مطابق نئے سماج کی تکمیل کی جائیگی جس میں بحیثیت سرکاری عہدیدار امام مسجد بطور قاضی، مقامی اکائی کے سیکرٹری یا سیکر کی حیثیت سے (منتقل) معاونت فرمائیں گے۔ تنازعہ کی صورت میں متاثرین سب سے پہلے معاملہ قاضی (امام) کے سامنے پیش کریں گے۔ امام کے انفرادی طور پر خود نہ پٹا سننے کی صورت میں کیس کو مقامی اکائی کے اجلاس میں پیش کر دیا جائیگا جس کی فوری یا معمول کی کارروائی کے تحت کسی بھی طے شدہ وقت باجماعت نماز کے بعد احاطہ مسجد میں ہی سماعت شروع کر کے مقامی اکائی قاضی اور اس کو سرکاری طور پر دیئے گئے ضروری دفتری عملہ کی معاونت سے اسلامی نظام کے تحت تعین کردہ سزاوہ جزا نمازیوں کی مدبرانہ مجلس کی موجودگی و معاونت میں اعلانیہ فیصلہ کے ذریعے سنائے گی۔ اپیل ضلع کی عدالتی کونسل میں پیش کی جائیگی جو اکائی کے فیصلہ کا تکنیکی بنیادوں پر جائزہ لے کر معاملہ کی ترمیم/توسیع/تصحیح کر کے حتمی فیصلہ صادر فرمائے گی۔ لیکن اگر معاملہ یا جھگڑا فریقین کی مقامی اکائیوں کی حدود سے باہر کا ہوگا تو وقوعہ کا مقام جس مقامی اکائی میں آئیگا وہ ابتدائی تفتیش کر کے کیس ضلعی کونسل کے حوالے کر دیگی۔ البتہ جو اس موقع پر گواہان ہونگے ان کو گواہی دینے کیلئے آنے جانے کے سفری اخراجات دیئے جائیں گے جو جھوٹے اور سرایافتہ مجرم کی ذات خاص سے ادا ہونگے۔ تاہم گواہوں کے قول و فعل کے بارے میں قبل از گواہی اُن کی مقامی اکائیوں سے اُنکے چال چلن کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

البتہ یہاں پولیس کے کردار کا تعین نئے سرے سے کرنے کی ضرورت ہے جو اکائیوں کی جانب سے معاملہ کی سنگینی کے تناظر میں قاضی کے ذریعے انسانی سلوک روا رکھتے ہوئے مہینہ ملزم/ ملزمان کو گرفتار کر کے اکائی/ امام کے سامنے پیش یا حوالات میں بند کرنے تک محدود ہونے کے علاوہ لڑائی جھگڑے یا امن عامہ میں خلل ڈالنے والے جرائم پیشہ افراد کو اپنی تحویل میں لا کر متعلقہ اکائی کو اعتماد میں لے گی۔ متعلقہ اکائی سے پیشگی اجازت لئے بغیر از خود کسی بھی ملزم/ ملزمان سے کسی بھی قسم کی پوچھ گچھ یا تفتیش کرنے کی مجاز نہ ہوگی، تاوقتیکہ اسے ایسا کرنے کو کہانہ جائے۔ دوران تفتیش اکائیوں کی معاونت کرنے کی پابند ہوگی اور جب صرف حقیقی عملی اقدامات کو ہی پذیرائی ملے گی تو ایسے میں یقیناً اصلی یا جعلی پولیس مقابلوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، بلکہ وردی یا بغیر وردی والوں کو بھی مصنوعی سہاروں اور دکھلاؤں کے بیسز اور خوشامدانہ فلمیکس لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی۔

جبکہ ابلاغ عامہ کی حقیقی آزادی کیلئے مخصوص معیار کے حامل رپورٹرز اور صحافیوں کے حقوق کا ادارہ جاتی تحفظ اور وہی و شہری سطح تک پولیس و الیکٹرونک صحافت کی موجودگی یقینی بنا کر اُسے سرمایہ داری نظام کے چنگل سے آزاد کروایا جائیگا، تاکہ متوازن رپورٹنگ پر مبنی صحافت نہ صرف حقیقت میں ریاست کا چوتھا ستون اور بغیر پری پیش بن کر عوام کی حقیقی ترجمانی کر سکے گی، بلکہ اشتہاروں کے عوض بریغال بھی نہیں بن سکے گی۔ تمام اخبارات اور الیکٹرونک چینلوں کو الیفا نیڈ مستقل تجربہ کار نمائندگان پر مشتمل قائم کردہ مرکزی کمیشن کے ذریعہ اعزازی یا عارضی کی بجائے ایک طے شدہ معیار کے مطابق میڈیا کے مستند و قوی نامہ نگاروں کا انتخاب کیا جائیگا، جن کی تنخواہیں نقد ادا کرنے کی بجائے، ادارے اُن کے بینک اکاؤنٹس میں ٹرانسفر کرنے کے پابند ہونگے، جس پر باقاعدہ ٹیکس کی کوئی ہوگی، تاکہ اُن کی ملازمتوں پر اولڈ تاج مراعات کا اصول لاگو ہو سکے۔ اس طرح دولت کی بنیاد پر دو نمبر کارروائیوں میں طوط ناخواندہ اشخاص کو نامہ نگار بنا کر زرد صحافت نہیں کی جاسکے گی اور ایک ہی وقت میں ہر چھوٹی بڑی خبر کو الیکٹرونک میڈیا کی مانند چلا کر لوگوں کو باخبر رکھنے کے مترادف پولیس میڈیا کو بھی میگزین کی طرز پر علاقائی اور لوکل ایڈیشن الگ الگ جاری کرنے کی بجائے بیک وقت ایک ہی سنگل ایڈیشن میں مقامی، قومی اور بین الاقوامی خبریں چھاپ کر عوام کو باخبر رکھنے کا پابند بنایا جائیگا، تاکہ حقیقی معنوں میں قومی صحافت فروغ پا سکے۔ جبکہ ہمہ وقت اصلاح و محاسبہ کیلئے بیک وقت حامی و مخالف تبصروں اور مناظروں کی غرض سے متوازن صورتحال پیدا کرنے اور ہر مقامی، ضلعی اور مرکزی اکائیوں کے اجلاسوں کی کارروائیوں کو متعلقہ ٹی وی اسٹیشنوں سے برائے راست دکھانے کیلئے ہر سطح پر الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کے نمائندگان کی موجودگی یقینی بنائی جائے گی، تاکہ جملہ اکائیوں کی کارکردگی اور لوگوں کی صلاحیتیں اُجاگر ہوں اور صحیح معنوں میں ذرائع ابلاغ عوامی مسائل کی مطلوبہ کوریج ممکن بنا کر متوازن رپورٹنگ کے ذریعے نگران محتسب کا کردار ادا کرتے رہیں۔ پیٹک ٹرسٹ کی مانند چلنے والا ایسا ہی آزاد و خود مختار قومی پولیس اور الیکٹرونک میڈیا بوقت ضرورت حقائق پر مبنی اذہم سروے کرنے کرانے کیلئے بھی موزوں قرار پائیگا۔ ایسے میں یقیناً آج کے منافقانہ چلن کے برعکس کوئی سرکاری و پرائیویٹ مافیا، ملک گیر آزاد میڈیا کو اپنے اہنی کنٹرول میں لا کر انصاف کا قتل عام نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کوئی سرکاری و غیر سرکاری ادارہ مافیا کی طرز پر چلایا جاسکے گا۔ البتہ ملکی سالمیت کی نسبت ایسا میڈیا ہمہ وقت قواعد کے تابع ضرور رکھا جائیگا۔

کسی سرکاری عہدیدار یا اہلکار کے خلاف شکایت آنے پر تا فیصلہ وہ معطل تصور ہوگا۔ مختلف بین الاضلاع افراد میں تنازعات بھی اُنکی متعلقہ مقامی انتظامی اکائیوں کے ذریعے ہی فائل ہونگے، جو متاثرہ شخص/ اشخاص کے بیان حلفی و دیگر ابتدائی ضروری کارروائی کے بعد مقامی اکائیاں اصل جھگڑے اور وقوعہ کے ضلع کی عدالتی کونسل کو فیصلہ کیلئے سفارشات کریں گی۔ جس پر ضلعی کونسل فریقین کا موقف سننے اور جانچنے کے بعد اپنا حتمی فیصلہ صادر فرما کر متعلقہ افراد کی مقامی اکائیوں کو جزا و سزا کی تکمیل کیلئے ہدایت فرمائے گی۔ اس طرح عوام خود کیلئے مقامی سطح پر اپنے ہی گھروں میں بھاری رقوم پر وکیل حاصل کیے بغیر عدل و انصاف اور سزاوہ جزا کا بروقت اور منصفانہ فیصلہ بن و دم حاصل کر سکیں گے۔ واضح رہے کہ کوئی بھی عدالتی کونسل تعداد میں (یقیناً) ایک فرد سے زائد ماہرین قانون، نفسیات، معاشیات، عمرانیات، جنسیات یا عالم دین پر مشتمل ہوگی۔ یعنی موقع مناسبت سے عدالتی کونسل کے ان عناصر کی تعداد کم یا زیادہ کی جاسکتی ہے، مگر ایسی کسی کونسل کے افراد کی تعداد سنگل شیج کی بجائے ہر صورت میں فرد واحد سے لازمی طور پر زیادہ ہوگی۔ کیونکہ فیصلے فرد واحد کی افتاد طبع کے تابع کرنے کی بجائے مستقل اقدار پر مبنی میزان زندگی کے تحت

کروائے جائیں گے، تاکہ فیصلے کسی انفرادی بیماری و بد مضی اور گھریلو و سماجی لڑائی جھگڑوں کی بناء پر مزاج اور رویوں میں اتار چڑھاؤ کی تلاطم خیزیوں اور طوفان انگیزیوں سے متاثر نہ ہو سکیں۔ اس امر کی تصدیق میں فرمایا (اور تو اور) خود نبی کے ذاتی خیالات و جذبات (نفسانی خواہشات) کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا (53/3)۔ عدالتی نظام کی مزید اصلاح کی غرض سے ہر ضلع میں ایک موبائل عدالتی کونسل بھی ہوگی جو شکایت کی صورت میں موقع پر جا کر صورتحال کا ابتدائی جائزہ لیتے ہوئے جتنی برحق حقوق معاملہ کو متعلقہ مقامی یا ضلعی اکائی کے حوالے کرے گی۔ بالکل ایسی ہی ایک موبائل کونسل وفاقی سطح پر بھی ہوگی جو تمام ذیلی اکائیوں کے معاملات کی خفیہ یا اعلانیہ نگرانی کروا کر شفافیت برقرار رکھے گی۔

فیصلے اکائی کے ہر ممبر کو بالترتیب سنانے کی دعوت دی جائیگی، تاکہ قوت فیصلہ کی تربیت ہو سکے۔ بالکل ایسے ہی ہر نمازی کو اذان، تکبیر اور امامت جیسے فرائض سکھائے جائیں گے۔ کیسوں اور انکی ایپلوں کے نمٹائے جانے یا نظر ثانی کیلئے باقاعدہ ٹائم فریم ہوگا، جس کے اندر ہی بلا تاخیر فیصلہ کیا جانا لازمی ہوگا۔ قتل جیسے سنگین کیسوں کی اپیل کی صورت میں معاملے کا آخری اور حتمی فیصلہ ایک فرد خاص کی بجائے قومی سطح کی کثیر الحکم عدالتی کونسل متعین کردہ وقت میں کرے گی۔

اس طرح امور مقامی سطح پر نمٹنے سے شہروں کی جانب لوگوں کا بڑھتا ہوا سیلاب تھم جائیگا اور اگر آغاز میں مروجہ نظام کچھ مدت کیلئے جاری رکھنا پڑا تو ذلت آمیز عدالتی نظام کی اصلاح اور انصاف کے قتل عام کو روکنے کیلئے وکلاء کے پاس سول و فوجداری مقدمات کی تعداد سمیت اُنکے نمٹانے کی مدت کا تعین کیا جائیگا اور رکاوٹ بننے والے وکیل کا لائسنس کینسل اور جج کو نوکری سے برخاست کیا جاسکے گا۔ کیونکہ قرآن مجید اور اخلاقیات کی رو سے مجرموں کی جانب سے وکالت کیے جانے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ فرمایا ”تم خیانت کرنے والوں کے معاملات میں اُن کا دفاع مت کرو“ (4/105)۔ جو لوگ اپنی ذات یا اپنے لوگوں کے خلاف بددیانتی برتیں ان کی طرف سے (بھی) وکالت مت کرو (4/107)، اور یہ حلف دے کہ ”میں کبھی مجرمین کا پشت پناہ نہیں بنوں گا“ (28/17)۔ اصلاح احوال کی نسبت مقدمات کی جملہ کارروائی کو جانچنے کیلئے سینئر و تجربہ کار وکلاء و ججز پر مشتمل جیوری تشکیل دی جائے گی، جو ناقص کارکردگی دکھانے والوں کا محاسبہ کر سکے گی۔ اسی طرح ڈاکٹرز، انجینئرز جیسے پیشہ ورانہ جملہ افراد کیلئے بھی یہی طریقہ کار لاگو ہوگا۔

نظام ہذا کی وسعت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ہر ملک ضلعی اکائی کی مانند ہو اور اس کا سربراہ گلوبل (ولج) اسمبلی کا ممبر ہو تو یوں تمام ممالک کے سربراہوں پر مشتمل گلوبل ولج کی اسمبلی یا عالمی اکائی اپنا ایک صدر منتخب کر کے دنیا کا پُر امن ایجنڈا تشکیل دے سکتی ہے، جس میں ہر ملک اپنے بجٹ کے مطابق اپنی عوام کو سہولتیں مہیا کرے اور وسائل کی کمیابی کی صورت میں عالمی اکائی کی طرف سے باہمی تبادلہ کے تحت مطلوبہ فنڈز طلب یا مہیا کیے جاسکتے ہیں۔ قومیت اور بین الاقوامیت کی سطح سے بالاتر خالصتاً فلاح انسانی کیلئے دنیا میں دائمی امن کے قیام اور عالمی ترقی کیلئے ایک نہ ایک دن عالمگیر مملکت تشکیل دے کر سماجی و اقتصادی انضمام ضروری ہو جائیگا جس کے اراکین تمام دنیا کے افراد ہوں گے۔ سورہ بقرہ (213) میں فرمایا کہ ”(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی کنبہ تھے“۔ ایک عالمگیر برادری کا تصور ویسے تو انسانی فلاح کیلئے ہمیشہ ہی ضروری رہا ہے، لیکن ایٹم بم کے اس دور میں اسکی اہمیت اور ضرورت اور بھی شدید ہو گئی ہے۔

دنیا میں عالمگیر برادری متشکل کرنے کا واحد ذریعہ اسلام کا آفاقی نظریہ اجتماعیت ہے۔ اس نسبت جغرافیائی اور مقامی حالات کے تقاضوں کی رو سے ایک سے زیادہ ملکیتیں باقی رکھی جاسکتی ہیں، لیکن اُنکی حیثیت محض انتظامی وحدتوں کی سی ہوگی، جن کا ضابطہ حیات آپ کے اپنائے گئے اسلوب کے تحت مشترکات پر یوں اکٹھے ہونا ہے، جس طرح نوع انسانی شروع میں ایک برادری تھی، جو خون، رنگ، نسل، زبان، مختلف خاندانوں، قوموں، قبیلوں، نسلوں، عقیدوں اور وطنوں کے باہمی اختلاف کے سبب بٹ گئی، جس میں پھر سے اشتراک، فکر و نظر کی ہم آہنگی اور وحدت پیدا کرنے کیلئے خدا کی طرف سے سورہ بقرہ (2) کے مطابق راہنمائی لینا ہوگی کہ بارگاہ انسانی میں سب سے بڑے مجرم وہ ہیں جو خدا کے حکم کے برعکس ”بکھری ہوئی انسانیت کو جوڑنے کی بجائے اُسے کھلے کھلے کر کے دنیا میں فساد برپا کرنے کا موجب بن رہے ہیں، اور یوں قومیت پرستی کا احساس، نفرت سے پیدا ہو کر عداوت پر پردوش پارہا ہے“۔ ایسے میں ایک قوم کو اپنی ہستی کا احساس ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی دوسری قوم سے متصادم ہو اور پھر وہ اپنی قومی وحدت کی تکمیل کے بعد اپنے حق خود مختاری کو مستحکم کرنے کیلئے دوسروں کو مسلسل دباؤ شروع کر دیتی ہے۔ ایسے میں اپنا ملک چاہے حق پر ہو یا باطل پر ہمیں اُس کا ساتھ دینا ہوتا ہے۔ کیا ایسا اسلام درس دیتا ہے؟ فرمایا کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے عدل نہ کرو (5/8)۔ کسی پر ظلم کرنا، نہ ظلم ہونے دینا (2/279) گویا سزا ہمیشہ انتقام کی بجائے بااندازہ جرم ہونی چاہیے۔

یقیناً اسلام تنگ دامن نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن اپنی تعلیم کے سلسلہ میں اپنے اور پرانے میں کچھ فرق نہیں کرتا۔ بلاشبہ رب العالمین کے دین اسلام کی وضع کردہ معیشت میں انسان تو کجا کوئی جاندار بھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اللہ کی پیدا کردہ ہر چیز یعنی بارش، ہوا، پانی، نباتات و جمادات جیسی جملہ جہتیں بلا امتیاز اور سب کیلئے ہیں۔ جس طرح روشنی کیلئے سورج عالم انسانیت کا مشترک چراغ ہے، جو ساری دنیا کو منور کرتا ہے، وہ کسی خاص فرد، خاندان، قبیلہ، قوم یا ملک کا سورج نہیں ہے۔ اسی طرح نئی اقوام عالم کے نگران اور دنیا کو منور کرنے والی ہستی ہیں (33/46)۔ بشیر و نذیر ہیں (34/28)۔ سب کے رسول ہیں (71/158)۔ رحمت العالمین ہیں (21/107)۔ اللہ کا ضابطہ قوانین (قرآن) اور ذکر الہی بھی عالمین ہے (38/88)، جس میں رنگ، نسل، خون، زبان اور وطن کی کوئی تخصیص و تمیز نہیں رکھی گئی، کیونکہ سب ایک ہی کنبہ تھے (2/213)، اور ایسے تمام خود ساختہ معیاروں کے مطابق نوع انسانی کو قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کر دینا اور پھر ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کر کے جنتِ ارضی کو درندوں کا بھٹ بنا لینا، انسانیت نہیں سمجھتے و ہیبت ہے اور قرآن کے پیش کردہ عالمگیر برادری کے تصور کی مخالفت ہے جس کے تصفیہ کیلئے قرآن کی راہنمائی لینا لازم ہے جو تمام انسانوں اور سب زمانوں کیلئے ہے۔ ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو محرومی و بد نصیبی کی زندگی بسر کرے (20/2)۔ لہذا ہم سب ربانی بن جائیں۔ کیونکہ تمام اقوام عالم اصل کے اعتبار سے ایک

ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی برادری کے اجزائیں۔ وسیع دامن اور آفاقیت کا حامل اسلام، سیکولر ازم و کمیونزم جیسی تمام لبرل ازم کی اصلاحات کا مفہوم اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

بہر کیف پاکستان تحریکِ اجتماع (PTI) کے وضع کردہ نظام کے تحت مرکزی حکومت کو جب قانون سازی کرنا مقصود ہوگی تو وہ باہم مربوط ذیلی اکائیوں سے مشاورت لے گی۔ یعنی ملک کے تمام لوگ بذریعہ اپنی اپنی اکائیوں کے خود کی آزاد مرضی و منشاء سے پالیسی کی ٹیکنیکل حدود کیلئے جزل خطوط وضع کریں گے، جسے قانونی شکل دینے کی غرض سے اس پر حتمی طور پر غور و فکر کیلئے مرکزی حکومت زیر بحث پالیسی سے متعلق اس شعبہ کے ملکی و قومی سطح پر موجود متعلقہ دانشور و ماہرین افراد سے اُنکی یونینز کے ذریعہ یوں صف بندی کرے گی کہ وزارتِ قریبی طریقہ کار کو تبدیل کر کے تمام شعبوں کیلئے قومی اسمبلی کے ممبران کی مطلوبہ تعداد پر مشتمل مخلوط کمیٹیاں بنائی جائیں گی، جو ٹیم ورک کے تحت کسی بھی پالیسی کی تشکیل یا نفاذ سے قبل باہم صلاح مشورہ کیلئے متعلقہ شعبہ کے ماہرین کو دعوت دے کر عوام کے وضع کردہ جزل خطوط پر مطلوبہ پالیسی کے بارے میں ابتدائی رپورٹ تیار کریں گی جس کو ملکی سطح کی مستقل پالیسی بنانے سے پہلے ضلعی اسمبلیوں کے ذریعے مقامی اکائیوں کے توسط سے لازمی عوامی مشاورت کے حصول کے ساتھ مشروط کر دیا جائیگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وزراء کمیٹی کا تعلق متفقہ سے نہ ہونے کی بناء پر وہ اسمبلی میں ووٹنگ کا حق بھی استعمال نہ کر سکیں۔ کابینہ کے ممبران پارلیمنٹ میں سے منتخب ہو کر حلف اٹھانے کے فوری بعد قومی اسمبلی کی ممبر شپ سے مستعفی ہو کر اپنی وزارت کی پانچ رکنی کمیٹی کی سربراہی کریں گے جن کی جگہ متعلقہ ضلعی اکائیاں اپنے نمائندہ نئے ممبر منتخب کر کے مرکزی اکائی میں بھیج سکیں گے، تاکہ اختیارات کی علیحدگی اور توازن قائم رہے۔ جبکہ وزیر کے علاوہ وزراء کمیٹی کے باقی چار ممبران، محفل فکر کی اعلیٰ کارکردگی کے حامل متعلقہ شعبہ کے ریٹائرڈ فنی ماہرین ہونگے جن کی حمایت و مدد سے وزارتیں اپنا اپنا کام سرانجام دیں گی۔ اس نسبت سرکاری اخراجات کم سے کم اور دیگر جمہوری ممالک کی مثالوں کو مد نظر رکھ کر مقرر کیے جائیں گے۔ کابینہ کمیٹی کو اسمبلی کے سامنے اجتماعی جواب دہی کا پابند بنایا جائیگا۔ یعنی کسی ایک رکن کے خلاف عدم اعتماد منظور ہونے کی صورت میں تمام کابینہ کمیٹی کو مستعفی ہونا پڑ سکتا ہے۔ اس طرح قومی اہمیت کی پالیسیاں بغیر طوالت کا شکار ہوئے کسی پیرودنی دباؤ یا دخل در مقولات کے، بروقت تشکیل پاتی رہیں گی۔ تاہم استصواب رائے سے قبل ایک خاص وقت کیلئے حتمی شواہد کے ساتھ عوام کے سامنے بیک وقت حامی و مخالف آراء موازنہ کیلئے پیش کی جائیں گی۔

اس نظام کی موجودگی میں آئے دن ہونے والے اقسام نام نہاد انتخابات کا سرے سے نام و نشان مٹ جائیگا، اور خود غرضی کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا خاتمہ ہونے سے کوئی اسمبلی ٹوٹے گی، نہ ہڑتالیں ہوگی، اور نہ ہی ملکی معیشت بار بار الیکشن کی صورت میں تباہ و برباد ہوگی۔ نئے نظام میں حکومت سازی یا عدم اعتماد کی تحریک لانے یا اس کے دفاع کیلئے اراکین کو اغواء کرنے یا خریدنے جیسی ہارس ٹریڈنگ کی قبیح حرکات کی بھی ضرورت پیش نہیں آئیگی۔ ہر سطح کی اکائیاں عوامی رائے پر مبنی مرحلہ وار رپورٹ شہریوں کے مشاہدہ کیلئے اشاعت کرتی رہیں گی۔ اسکے علاوہ پارٹی طرز کا تنظیمی ڈھانچہ ہر چھوٹے بڑے کارخانہ، زرعی فارم اور پرائیویٹ و سرکاری سطح پر موجود ہوگا۔ یعنی سیاست کے دائرے میں پارٹی تنظیمیں، روزگار میں ٹریڈ یونینز، اشیائے صرف کی کوآپریٹو سوسائٹیز اور ثقافت میں ادبی کلبوں پر مشتمل گاؤں قصبہ، شہر اور ضلع میں ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے دانشور و ماہرین، یعنی ڈاکٹرز، انجینئرز، صحافی، وکلاء، ججز، اساتذہ، ٹیکسٹائل، بکرس سمیت مزدوروں، کسانوں، کاروباری حضرات اور جملہ ملازمین کے نمائندوں پر مبنی الگ الگ انجمنیں/ یونینز ہوگی۔ گویا ان تمام پیشہ ورانہ تنظیموں کی اکائیوں میں نمائندگی اُنکی ملکی سطح پر باہم مربوط تنظیم سازی کے تحت ہوگی جو حفظ مراتب کے تحت مقامی، ضلعی اور مرکزی اکائیوں کی سطح پر اصلاح احوال کی نسبت متفقہ طور پر چنے گئے فی انجمن ایک ممبر، متعلقہ اکائی کے ممبران ہونگے جو متعلقہ اکائی کے حتمی ممبر کے طور پر تو چناؤ نہیں لڑ سکیں گے، مگر وہ اپنی اپنی تنظیموں کے مقاصد و مطالبات کو ترجیحاً پیش کرنے تک محدود رہ کر قانون سازی میں معاونت کریں گے۔ یعنی اکائیوں کے اجلاس میں رائے شماری کی خاطر حصہ نہیں لے سکیں گے۔ تاہم اکائی میں اپنی سفارشات پیش کرنے سے قبل، یہ پیشہ ورانہ کاروباری تنظیمیں، پہلے آپس کے اجلاسوں میں ترجیحات طے کریں گی اور پھر متعلقہ اکائی میں اپنے پیچھے گئے نمائندہ ممبران کے ذریعے اپنا نقطہ اعتراض اٹھائیں گی۔ اس طرح سے آئے روز کی بے جا ہڑتالوں کا جواز جاتا رہیگا۔

مرکزی اکائی (قومی اسمبلی) ملکی و بین الاقوامی سطح کی ریاستی پالیسیوں کو تشکیل دینے کی غرض سے ضلعی و مقامی اکائیوں کی لازمی و مطلوبہ مشاورت کیلئے ہمہ وقت باہم رابطے میں رہے گی، اور کسی بھی سطح پر کسی سنگین و بے قابو صورتحال، متنازعہ امور پر فیصلہ سازی یا ملکی سالمیت کے خلاف بغاوت اور امن عامہ کی نسبت قومی اسمبلی، اقسام انتظامیہ کی حتمی کنٹرولنگ اتھارٹی ہونے کی حیثیت سے حالات کو کسی بھی قیمت پر قابو میں رکھنے کی کلیتاً ذمہ دار ہوگی۔ تاہم اولاً قومی اکائی (اسمبلی) اس نسبت اقدامات اٹھانے سے قبل متعلقہ ضلعی اکائی کو موقع دے گی کہ وہ اپنی متعلقہ مقامی اکائی کے معاملات کو کنٹرول کرے۔ مگر معینہ مدت کے بعد صورتحال بدستور یا مزید بگڑنے اور طوالت اختیار کرنے پر قومی اکائی اپنا حتمی اختیار استعمال کرنے کی مجاز ہوگی۔ بہر کیف ناخوشگوار ہنگامی صورتحال کی جو بھی ضلعی یا مقامی اکائی ذمہ دار ہوگی، اُسکے اختیارات اپنی حدود میں امن عامہ کو کنٹرول کرنے والے اداروں پر حالات معمول پر آنے تک معطل تصور ہونگے۔ زیادہ مدت کیلئے اختیارات (حالات) کی ایسی صورتحال بدستور رہنے پر متاثرہ اکائی اپنے اختیارات کی بحالی کیلئے اپنے سے بالا اکائی (اسمبلی) میں تحریک استحقاق پیش کر سکتی ہے یا خود بالا اکائی اس نسبت ذیلی اکائی/ اکائیوں کے توسط سے وہاں کی عوام کا کھلے عام استصواب رائے کی صورت میں براہ راست اکثریتی حتمی فیصلہ حاصل کر سکتی ہے۔ بہر طور قومی اسمبلی، ضلعی، مقامی اسمبلی پر اور ضلعی اسمبلی، مقامی اکائیوں پر بالترتیب اتھارٹی ہوگی۔

اراکین اور اکائیوں کے اقتدار کی مدت کا تعین ہمہ وقت عوام کی صوابدید پر ہوگا۔ اکائیوں کے ممبران کو منتخب کرنے والے حلقے (کی عوام) عدم اعتماد کی صورت میں منتخب شدہ عہدیداران و اراکین کو اُنکی متعینہ مدت کے خاتمہ سے قبل بھی حق باطلی کے ذریعہ برطرف کرنے کے مجاز ہونگے اور نظام اقتدار کی بجائے نظام اطاعت کے نفاذ سے رعایا اور حاکم میں قائم تفریق کے ممکنہ خاتمہ سے ہر کسی کو قانوناً و اخلاقاً ایک ہی سطح پر لایا جائیگا۔ جبکہ عہدے حق کی بجائے ذمہ داری ہونگے جن کی مدت متعینہ منصب کارکردگی سے مشروط ہوگی۔ چنانچہ مشورہ اگر منصب یعنی ذمہ داری کے متعلق ہوگا

تو اس میں صرف چند اہل حل و عقد کی شمولیت کافی ہوگی جبکہ حقوق کا معاملہ ہونے پر اس میں سب افراد کی بالواسطہ یا بلاواسطہ شمولیت ضروری ہوگی۔ اکائیوں میں ہر درجہ کے افراد شامل کیے جائیں گے، کیونکہ سورہ صافات کے مطابق ”ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے۔“ اور ”وہ بھی جو دکھلاوے کی بجائے حقیقی طور پر نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اور بیچ کی راہ والے اور وہ بھی جو اپنی جانوں پر ظلم کر کے گناہوں میں آلودہ ہیں“ (35/32)۔ **ان تمام لوگوں کو نیکی کے دعویٰ پر وگرا مومن میں سونے کی کشش موجود ہوگی۔** جیسا کہ وحی کے علاوہ مشاورت کے عمل میں سب کو شامل کیا گیا ہے۔ صحابہؓ سے پوچھ لیتے کہ جاری کردہ حکم وحی کی رو سے ہے یا آپ کا ذاتی مشورہ ہے، اور ذاتی مشورہ کی صورت میں لوگ اسے ماننے یا انکار کرنے میں آزاد ہوتے تھے۔ اگر کسی کی رائے زیادہ بہتر ہوتی تو اسے ترجیح دی جاتی۔ قرآن کے مطابق انسان بد فطرت نہیں ہے، کیونکہ اللہ نے جملہ بنی نوع انسان کو اپنی فطرت (مشیت) پر پیدا کیا ہے۔ ”اللہ کی اس فطرت (مشیت) پر (چلو) جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے“ (30/30)۔ گویا انسان کو اچھا یا بُرا انسان بنایا جاسکتا ہے۔ یعنی صاحب اختیار و ارادہ انسان نیک یا بد اپنے اختیار و اعمال سے بنتا ہے۔

کرپشن کو تحفظ دینے والی رازداری کا خاتمہ کر کے عوام کیلئے اطلاعات کی فراہمی یقینی بنائی جائیگی تاکہ ”اقتدار میں عوام۔ انصاف بن دام۔ اور احتساب سرعام“ کو ممکن بنایا جاسکے۔ عوامی شکایات اور ان پر مرحلہ وار کارروائیوں کی تفصیل، انکوائریاں، تفرصہ جات، ٹیکس سے متعلق جملہ سرکاری معلومات آن لائن کر دی جائیں گی۔ اس طرح مضبوط اپوزیشن کا کردار بطور محتسب اعلیٰ خود ”عوام سرانجام دے کر حقیقتاً اقتدار میں شریک ہو گئے۔ جبکہ اسلام کی رو سے اقتصادی ڈھانچے میں اصلاحات کے سبب مالی طمع اور دنیاوی حرص و ہوس کا خاتمہ کیا جائیگا۔ تمام ترقیاتی امور کی انجام دہی و نگرانی، قیمت و معیار پر کنٹرول اور ٹیکس کی وصولی جیسے اہم عوامی، سماجی، معاشرتی اور انسانی مسائل، ان انتظامی اکائیوں کی معاونت سے حل ہونگے۔ ٹیکس سسٹم اور منافع کے حصول کیلئے آئی ٹی کی مدد سے مرکزی نظام عمل میں لا کر کاروباری سنٹرز/دکانوں کی خرید و فروخت کو ایک سرکاری مرکز سے منسلک کر دیا جائیگا، جہاں سے ہفتہ وار نہیں تو ماہانہ سیل پر متعین فیصد منافع دوکاندار حاصل کر سکے گا۔ اس سے دوکاندار زیادہ سے زیادہ سیل ریکارڈ پر لانے کی کوشش کریگا، تاکہ اس کا منافع بڑھ سکے اور ٹیکس بھی خود کار طریقہ کار کے تحت لگتا جائیگا۔ دوکاندار اپنے سامان اور ان کی انوائس کو بھی آئی ٹی ریکارڈ پر سیل کی مانند اپ ڈیٹ کریگا۔ اس میں دوکاندار محض اشیائے ضروریات تقسیم کرنے کا مرکز یا ایجنسی ہوگا جو اپنی محنت و سیل کے مطابق اپنا کمیشن/منافع لے گا، مگر اسے نفع اندوزی کا ذریعہ نہیں بنائیگا۔ اس کی محنت کا معاوضہ نظام کی طرف سے ملے گا۔ اسی طرح ڈاکٹری معائنہ کے اصل نسخہ پر ایک جگہ سے دوائی خرید کر دوسری جگہ سے نہیں خریدی جاسکے گی، کیونکہ جہاں سے دوائی خریدی جائیگی وہاں اصل نسخہ کی رسید جمع کر لی جائیگی اور ڈیپلیکیٹ مریض کے پاس رہے گی۔ اشیائے صرف نقد قیمت پر فروخت ہونگی اور مال ادھار ہرگز نہ دیا جائیگا۔ یوں ایک اوسط درجہ کا دوکاندار بھی اپنی فیملی کے ساتھ گزرا کر سکے گا۔ کیونکہ فلاحی حکومت میں بنیادی انسانی ضروریات، صحت، تعلیم، مکان، ملازمت، گزرا والاؤنس اور پنشن جیسے اقدامات اجتماعی طور پر بلا امتیاز مہیا کیے جائیں گے۔

درجہ بدرجہ سب سب کا نظام قائم کرنے سے قبل محرومیوں کے تمام جواز ختم کر کے عوام کو اسلامی و انسانی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے ضروری بنیادی سہولتیں مطلوبہ معیار پر بلا امتیاز فراہم کی جائیں گی، تاکہ کسی کو کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔ ایسی پیشمارضمنات کا مجموعہ پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) کے مجوزہ نظام کی اصل روح اور مجھ دیوانے کا خواب (لاحاصل) ہے، جہاں ہر فرد اپنی حد تک اگر حکمران ہوگا تو بیک وقت جوابدہ بھی رہیگا۔ معاشرتی روایات کو قانون سے ہم آہنگ بنا کر بہتر تبدیلی کیلئے بھلائی کے تمام سنہری اصولوں کو اپناتے ہوئے **دنیا میں موجود جملہ ارضی نظاموں کی اچھائیوں کو اپنایا جاتا رہیگا جس میں گل کا بھلا سب کی خیر ہو سکے۔** اس نسبت کوئی بھی کارآمد رائے یا تجاویز اپنی مقامی اکائیوں کے توسط سے مجوزہ فارم کے ذریعے ریکارڈ پر لاسکتا ہے، اور ہر ایسی قابل عمل تجویز کے عملی نفاذ پر تجویز کنندہ یا اس کے حقیقی وارثان کی تعین شدہ شرح سے مالی و اخلاقی حوصلہ افزائی کی جاسکے گی، تاکہ مثبت انداز میں سوچنے والوں کی قدر و پذیرائی ہو سکے (40/19)۔

عوام چاہے پنجابی ہوں یا پنجتون، بلوچی، سندھی یا مہاجر ہوں، تمام کے مسائل ایک جیسے ہیں۔ پاکستان تحریکِ اجتہاد (PTI) شخصیت پرستی کی حوصلہ شکنی کر کے تحریک کو زندہ رکھتے ہوئے عمل ترمیم کے تحت مختلف سیاسی خانوں میں نئی ہوئی قوم کی جماعت سازی کر کے یوں متحد کرنا چاہتی ہے کہ **Divide & Rule کی بجائے Unite & Rule کا اصول اپنایا جائیگا،** تاکہ ہماری سیاست، نظام خداوندی سے ہم آہنگ ہو سکے (42/38)۔

ہم ظاہری و باطنی منافرت کے ساتھ جاٹ، بٹ، شیخ، راجپوت، رائے، راجے، گجر، راؤ، آرائیں، سکے زئی، سید، نقوی، تقویٰ، ڈار، صدیقی، قریشی، ملک، اعوان، قادری، چشتی، غوثی اور پتہ نہیں کن کن سحر میں مبتلا ہو کر بت پرستی کا عملی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ہمیں ان بیساکھیوں کے بغیر مثالی کردار سے اپنی پہچان کروا کر ہمہ قسم احساس کمتریوں سے آزاد ہونا ہوگا۔ جبکہ **تبدیلی کا کوئی بھی حقیقی عمل عوامی شرکت کے بغیر ممکن نہیں اور تبدیلی انفرادی کی بجائے ایک نظام کے تحت عمل میں آئی چاہیے۔** مگر افسوس کہ خونخوار استحصالی طبقوں کیلئے پاکستان محفوظ شکار گاہ بن چکا ہے۔ 24 اپریل 1943ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ اگر پاکستان میں جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ نظام قائم رکھنا ہے تو مجھے ایسے پاکستان کی کوئی ضرورت نہیں ہے جہاں سب مراعات اور آسائشیں حکمران طبقہ کیلئے اور تمام مصائب و مسائل رعیت کیلئے ہوں تو ان حالات میں سفاکانہ اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلاشبہ پاکستان کو برسرِ اقتدار اشرافیہ اور پڑھے لکھے طبقے نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، جبکہ بارے میں قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ ”میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک ایسے ظالمانہ اور شرپسند نظام کی پیداوار ہیں جس کی بنیادیں ہمارے خون سے سینچی گئی ہیں۔ عوام کا استحصال اُن کی رگوں میں خون بن کر گردش کر رہا ہے۔ اس لئے اُن کے سامنے عقل و انصاف کی کوئی دلیل کام نہیں کرتی۔“ ایسے موقع پر فرمایا کہ ”اے ہمارے نشوونما دینے والے! وہ ہمارے (شہری) اور (دیہاتی) لیڈر اور مذہبی راہنما جنہوں نے ہمیں تباہ کیا ہے، انہیں ایک دفعہ ہمیں دکھا دے، تاکہ ہم اپنے پاؤں تلے روند کر دل کا غبار تو نکالیں“ (41/29)۔ اور (یہ) ظالم جن مظلوموں کے خلاف آمادہٴ پیکار ہیں، ایسے مظلوموں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی ان (ظالموں) کے خلاف میدانِ جنگ میں نکل آئیں جو ظلم کر رہے ہیں (22/39)۔ عوام اور اسلام کا بدترین استحصال جاری ہے جس کا سختی سے روکا جانا لازم ہے کیونکہ ہر چھوٹا بڑا اپنے مفاد کی خاطر انہیں بُری طرح استغلال کر رہا ہے۔ ظالمانہ نظام کو یکسر بدلنا ہوگا۔ ایسے باطل نظام سے بغاوت کرنا عین

سنت رسول ہے۔ کیونکہ اگر ایسے سسٹم کا حصہ بن کر ہی اسے بدلنا ہوتا تو آپ ابو جہل کی حکومتی پیشکش رد نہ کرتے۔

یاد رکھیں! وردی وغیرہ وردی والے رئیس زادوں اور اُن کی نسلوں کو ہمارا احساس کبھی پہلے تھا، نہ اب ہے اور نہ ہی ہوگا جو کارکنوں کی بجائے اپنے ہی عزیز رشتہ داروں، بہو بیٹیوں اور اولادوں کو اقتدار میں لاکر با اثر حلقے (Establishment) بن جاتے ہیں اور یوں عسکری و مسلح بیوروکریسی اور سرمایہ داروں و جاگیرداروں نے باہم اثر و رسوخ کی بناء پر اپنے لئے بہت سے امتیازی حقوق اور مراعات کو قانون اور ضابطے کا جواز دے دلا رکھا ہے جسے چیلنج کرنے کی عوامی طاقت موجود نہیں، اور عوام کی حقیقی طاقت اُس وقت تک نہیں بن سکتی، جب تک عوام کا ملکی/قومی سطح پر کوئی تنظیمی ڈھانچہ نہیں بنتا جو صحیح معنوں میں مقتدر اعلیٰ (Establishment) کا کردار ادا کر سکے، جسے اثر افیہ اور اُنکے ہر کارے ممکنہ طور پر بننے نہیں دیں گے۔

بیشک طبقاتی مفادات، اقتصاد کی تقسیم کے سبب ہوتے ہیں اور معاشی نظام ہی وہ بنیاد ہے جس پر سیاسی و عمرانی سماج کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ لہذا دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے خاتمہ کیلئے اوائل میں انفرادی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد بندی کر کے دولت کو معاشرے میں اس طرح پھیلا یا جائیگا کہ لوگ زیادہ ملنے سے بد مستیوں میں مبتلا اور محروم رہنے سے بد بختی کا شکار نہ ہو جائیں۔ انفرادی حیثیت میں حدود سے بڑھی ہوئی فالتوا اراضی و جائیداد اور دھن دولت، درجہ بدرجہ اُنکی اولاد اور غریب رشتہ داروں میں بانٹنے ہوئے بقیہ پر اپنی قومی ملکیت کا حصہ بنا کر مستحقین میں اس شرط پر تقسیم کر دی جائیگی کہ وہ مستقل محتاج رہنے کی بجائے اکائی کی زیر نگرانی اپنا اپنا مناسب روزگار شروع کر سکیں۔ **تعلیم و صحت جیسی تمام سماجی ضرورتوں کو سرکاری سطح پر بنیادی انسانی حقوق کے طور پر مہیا کیا جائیگا۔** آباد کاری کیلئے تمام سرکاری و پرائیویٹ رہائشی سکیموں کا اجراء اور صنعتکاری کیلئے غیر پیداواری پہاڑی اور بخر پتھر پلے علاقوں کا ترجیحاً انتخاب کیا جائیگا۔ زرعی اراضی کے ضیاع کو روکنے کیلئے رقبوں پر بنائے جانے والے ڈیروں کی بھی منصوبہ بندی عمل میں لائی جائے گی۔ نئے تقاضوں کے تحت عمارتوں کی تعمیر کو جدید بلڈنگ کوڈ کے زیر اثر پلاٹوں کا زیادہ سے زیادہ سائز مقرر کر کے ان پر بننے والی عمارتوں کی کھینچاؤ تقیر کی بجائے عمودی پھیلاؤ کی پالیسی اپنائی جائیگی۔ دیہاتوں میں بھی رہائشی سکیمیں شروع کی جائیں گی اور مرحلہ وار منصوبہ بندی سے جدید خطوط پر لوگوں کو بلا سود آسان اقساط کے ساتھ صاف ستھرے مکان تعمیر کر کے دیئے جائیں گے کہ **جوں جوں خریدار اقساط ادا کرتا چلا جائیگا اُسکا ماہانہ کرایہ کم ہو کر مکان پر حق ملکیت زیادہ کرتا چلا جائیگا اور ایک دن کرایہ دار اس مکان کا مالک بن جائیگا۔** جہاں بچوں، بڑوں اور بوڑھوں کیلئے شہروں کی مانند تفریحی پارکس و دیگر سہولیات کا قیام عمل میں لا کر جدید ترقیوں کے حامل دیہاتوں کو زرعی شہروں کا روپ دے دیا جائیگا۔ یعنی شہری و دیہی علاقوں کے درمیان سہولیات کے اختلافات (تفاوت) کو کم سے کم کر کے قابل عمل زرعی اصطلاحات کی جائیں گی، تاکہ دیہی آبادی کو شہروں میں منتقل ہونے سے روکا جاسکے، جس کیلئے دیہاتوں میں زرعی و صنعتی ترقیاتی منصوبوں اور کاروباری سرگرمیوں کو عملی جامہ پہنایا جائیگا، تاکہ زراعت ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہو سکے۔ اس طرح دیہاتوں میں شہروں کی مانند سہولتیں دے کر شہروں کو بے ہنگم ہونے سے بچانے پر ملکی وسائل اور آبادی کے درمیان توازن قائم ہوگا۔ **دیہی علاقوں میں ابتدائی طور پر بڑی صنعتوں کے قیام کی بجائے متعلقہ چھوٹی صنعتیں قائم کرنے کی پالیسی اپنائی جائیگی،** تاکہ زرعی اور صنعتی شعبہ میں توازن اور باہمی ربط قائم ہونے سے دیہی علاقے بھی مقامی اکائیوں کی موثر و غالب سرپرستی میں تیز رفتار ملکی و معاشی ترقی کی اجتماعی کاوشوں اور پیداوار میں اپنا کلیدی کردار ادا کر سکیں۔ ایسے میں بلاشبہ زرعی شعبہ ملحقہ علاقوں سے صنعتوں کیلئے خام مال مہیا کریگا، جبکہ صنعتیں زرعی آلات و کھاد وغیرہ فراہم کریں گی، جس سے یقیناً بار برداری کے اخراجات کی نہ صرف بچت ہوگی، بلکہ مشینی کاشت سے پیداواری عمل تیز ہونے پر صنعتی، تجارتی اور زرعی شعبوں کے مابین باہمی ربط کا یہ مربوط سلسلہ صرف اکائیوں کے خود کفیل نظام کے باعث ہی ممکن ہوگا۔

موروثی اراضی کی تقسیم و تقسیم کے عمل کی حوصلہ شکنی کی جائیگی، کیونکہ قانون وراثت کے زیر اثر زرعی ملکیت کے غیر پیداواری پونٹ بہت چھوٹے ہونے کی بنا پر کفالت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ اس لئے ابتداء میں وراثتی ہٹارے کے بعد غریب کسانوں کی باقی ماندہ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی مقرر کردہ پونٹس سے کم زرعی اراضی مارکیٹ ریٹس پر ملحقہ حصہ دار کو خریدنے کی پیشکش کی جائیگی، تاکہ اُسکا متعین شرح کے مطابق پونٹ مکمل رہے۔ بصورت دیگر حکومت خود رکھ لے گی اور تقسیم اراضی کی کم از کم مقرر کردہ اکائی حد کے مطابق سرکار غیر آباد زمین کو (بھی) آباد کاری کی شرائط پر غریب کسانوں اور اُنکے خاندانوں کو الاٹ کرتے ہوئے قومی سطح کی مقررہ شرح کے مطابق پیداواری پونٹس بحال رکھے گی۔ یعنی زراعت کو فیملی، پرفیشنل اور کرشل فارمنگ کی اقسام یا درجوں میں مناسب طور پر بانٹ کرنی خاندان حد مقرر کی جاسکتی ہے۔ یا پھر حکومتی سطح پر غیر پیداواری پونٹس کیلئے کوآپریٹو فارمنگ کا نظام متعارف کروایا جاسکتا ہے جس سے کاشتکاروں کی زمین کے تناسب سے اُنکے شراکت داری حصص رکھے جائیں گے۔ لیکن یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ **زمین عطیہ قدرت ہے جسے محنت میری رحمت تیری سے مشروط کیا جائیگا** اور ایک معینہ مدت تک لگا تا خود زمین کاشت نہ کرنے والا شخص کاشتکاری کے حق سے محروم ہو جائیگا اور ایسی اراضی کسی دوسرے شخص کو فوری کاشتکاری کیے جانے کی شرائط پر دے دی جائیگی۔ یہی اسلام کا موقف ہے۔ گویا موجودہ صورتحال کو مطلوبہ معیار کے مطابق تبدیل کرنے کیلئے ہر کسی کو کسی حد تک قربانی دینا ہوگی۔ 30 اکتوبر 1947ء کو پنجاب یونیورسٹی لاہور میں قائد اعظمؒ نے بھی اپنے فرمودات میں فرمایا تھا کہ ”ہر شخص یہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کیلئے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہو گا۔“ اپنی سرگذشت میں اصلاح کے حقیقی پہلوؤں کو اہمیت دینا ہوگی۔ کیونکہ قوموں کے زوال کا علاج ان کے ماضی کی تاریخ کے جھوٹے احترام اور اس کے مصنوعی احیاء سے نہیں ہو سکتا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ عہد نبیؐ میں زمین بٹائی، ٹھیکہ یا کرایہ پر دیئے کی ممانعت تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام زمین، نظام معاشرہ یعنی اُمت کی اجتماعی تحویل میں آگئی تھی، مگر برصغیر میں معاملہ برعکس رہا۔ اگرچہ عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک دُنیا میں کوئی ہمہ وقتی تنخواہ دار فوج کا وجود عمل میں نہیں آیا تھا۔ جنگ کی مہم کیلئے بھرتی ہونے والی افواج کو بطور معاوضہ، مفتوہ حِمْلِک کی زمینیں حصہ رسدی کے تحت تقسیم کر دی جاتی تھیں جس کے نتیجے میں آج کی مانند اُس وقت بھی بڑے بڑے جرنیلوں کے حصے میں زیادہ زمینیں آجانے سے سپاہ گری ناکارہ ہونے لگی تو عمرؓ نے باقاعدہ گُل و قتی تنخواہ یافتہ افواج کی بنیاد ڈالی۔ ایسے میں پھر مال غنیمت سے مجاہدین میں زمینیں بانٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے فتوحات کے نتیجے میں ملنے والی املاک کو لڑے والے مجاہدین میں تقسیم

نہ کرنے کا حکم دے کر ایسی جملہ اراضی حکومت کی ملکیت میں دے دی اور ان زمینوں پر کاشت کرنے والے ہزاروں کو خالص آمدنی کا پچاس فیصد تک حکومت کو خرچ ادا کرنے کا پابند بنایا گیا۔

اسلامی روایات کے مطابق زمین اور اس کی پیداوار سے برآمد ہونے والی ہر چیز یا کارخانوں کی شکل میں رزق کے سرچشمے قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہیں، تاکہ وہ افراد معاشرہ کی پرورش کے کام آئیں۔ خصوصاً جب بلا امتیاز معاشرہ کے تمام افراد کے رزق کی اتنی بڑی ذمہ داری، مومنین کی جماعت کے ہاتھوں متشکل معاشرتی نظام اپنے اوپر لیتا ہو۔ یعنی ذرائع پیداوار قوم کی تحویل میں ہونے پر جو منافع نجی طور پر افراد کے پاس جمع ہوتا ہے، وہ پیداوار کے اضافہ کیلئے صرف ہوگا اور رزق کی تقسیم ضرورت کے مطابق مملکت کے زیر نگرانی ہوگی۔ جب افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ کے سر ہوگی اور ذرائع حیات حاجتمندوں کیلئے کھلے رہیں گے تو کسی کیلئے دولت سمیٹ کر جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا، جو قرآنی احکامات کی تائید ہے کہ ”دولت جمع کرنا بدترین جرم ہے“ (104/1-2, 9/34-35)۔ **رزق کے ذرائع ہر ضرورت مند کیلئے یکساں طور پر کھلے رہیں گے۔ اُن پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال (ہی) پیدا نہیں ہوگا (41/10) + (55/10)۔ اگر ایسا کریں گے تو خدا سے مقابلہ میں دوسرے خدا کھڑے کر دینے کے مترادف ہوگا۔ آسمان میں الگ خدا اور ارض پر کوئی دوسرا (دولت کو) خدا تسلیم کرنا شرک ہے (2/168, 23/84-85, 29/60-61, 2/22, 43/84, 6/3)۔** بیشک قوت درحقیقت دولت ہی کے عملی نتیجہ کا نام ہے۔ یعنی دُنیوی طور پر دولت میں بے پناہ طاقت ہے جس کا راز یہی ہے کہ وہ انسان کی محنت کو اپنے تصرف میں لانے کی قوت رکھتی ہے اور یہ طاقت قرون وسطیٰ کے مطلق العنان بادشاہوں کی طاقت سے بھی زیادہ قوی ہے۔ مگر دولت کو فقط محنت پر ہی اقتدار حاصل نہیں ہے، بلکہ دولت مندوں کی مٹھی میں مقفہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی پوری طاقت بھی ہے جو ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں۔ گویا جب تک روک ٹوک کے بغیر نفع خوری کا سلسلہ جاری ہے تب تک معاشرتی ماحول کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ لوگوں کا کردار درست ہو سکتا ہے۔

اگرچہ فرمایا ”دُنیوی زندگی میں لوگوں کے درمیان معیشت کی تقسیم ہم کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے پر بلندی مدارج عطا کرتے ہیں“ (43/32)۔ مگر ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں (61/132)۔ مجاہدین (جدوجہد کرنے والوں) کے مدارج قاعدین (مترفین) سے بلند ہوتے ہیں (4/95)۔ حاجیوں کیلئے سبیلین لگا دینے والوں یا مسجد الحرام کی تزئین و آرائش کرنے والوں کے مقابلہ میں مجاہدین اور مجاہرین کے درجات بلند ہوتے ہیں (9/19)۔ اقوام میں تقسیم رزق سعی و عمل اور اختیار و ارادہ سے ہوتی ہے۔ خدا نے سامان رزق پیدا کر دیا، لیکن اس کی انفرادی تقسیم ہاتھ میں نہیں رکھی۔ کیونکہ انسان کو صاحب اختیار و ارادہ بنایا۔ افراد انفرادی صلاحیتوں کے پیشک مالک ہوتے ہیں، مگر بعض مددوں میں ہر کوئی پورے اختیارات کا مالک نہیں ہوتا اور وہ نظام معاشرہ کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ غیر قرآنی (غلط) نظام میں ایسی تقسیم سے ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں جو قرآنی (صحیح) نظام میں مٹ جاتی ہیں۔

یہ قرآن کے معاشی نظام کی عملی بنیاد ہے کہ زمین تمام نوع انسان کیلئے ذریعہ رزق اور جانداروں کی بلا معاوضہ پرورش جیسی ہر نعمت خدا کی عطا کردہ ہے، جس پر ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (16/53)۔ جس چیز کو اللہ اپنی کہتا ہے، اس پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی اور اُسے اُسی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کر کے اُن تمام اُمور کو پورا کیا جانا چاہیے، جنہیں اللہ اپنی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ بصورت دیگر ان احکامات کی کف سے کفران نعمت کی شکل میں خدا کا انکار ہوگا، جو اسلام نہیں کفر ہے۔ چونکہ زرعی اراضی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جانے کے باعث پیداوار میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ صورتحال معکوس ہو جاتی ہے۔ اس لئے زرعی زمین پر نجی ملکیت محدود کرنے کیلئے غیر حاضر زمینداروں کی اراضی خود کاشتکار مزارعین میں مقررہ یونٹس کے مطابق تقسیم کر دی جائیگی، تاکہ ان کی حرمیاں دور ہوں اور وہ اپنی حاصل محنت کے بلا شرکت غیرے مالک بن سکیں۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے ایک ملازم بڑھاپے یا بیماری کے سبب ملازمت سے ریٹائر ہو کر پنشن وصول کر کے کسی نو جوان کو جگہ دے دیتا ہے، بالکل ویسے ہی ایک کسان عمر رسیدہ ہونے سمیت کسی بھی سبب قدرتی طور پر کاشت کرنے کی اہلیت سے مستقل محروم ہو جانے پر اپنی زمین سے دستبردار ہو کر بقیہ زندگی حکومت سے پنشن پائیگا، جس کا متبادل کوئی دیگر نو جوان الاٹی طبعی طور پر ناکارہ ہونے تک حاصل ہونے والی اراضی پر کاشتکاری کر سکے گا۔ گویا **زمین ملکیت کی بجائے کاشتکاری کیلئے تحویل میں دی جائیگی۔** منظم امداد باہمی کے تحت اشتراک و تعاون کا دائرہ کار محض محنت تک ہی محدود نہیں ہوگا، بلکہ زرعی زمین، آلات کاشتکاری وغیرہ کا تصرف بھی اجتماعی ہوگا۔

امداد باہمی کا کاشتکاری نظام ایک ایسی معاشرتی اکائی ہے جس میں زمین سب کی مشترکہ ملکیت ہوگی اور دیگر صنعت و حرفت، تعلیم و صحت اور سماجی و کاروباری سرگرمیوں کا الگ سے ڈھانچہ موجود ہوگا۔ یعنی عوام کی اشتراکی ملکیت محنت کاروں کی اجتماعی ملکیت کا روپ دھارے لگی۔ اس طرح لینڈ مافیا محض حوس زر کی خاطر بے ٹکی ٹاؤن پلاننگ نہیں کر سکے گا۔ آج کل جس آدمی کے پاس چند پیسے آتے ہیں وہ زرعی زمین پر بلا اجازت سوسائٹی بنانے سے ارب پتی ہو جاتا ہے۔ زرعی کلچر کو ختم کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنے سے زرعی زمین پر بلا سوچے سمجھے سوسائٹیاں نہیں بنیں گی اور یوں زرعی زمینیں عدم سکڑاؤ کے سبب آئندہ نسلوں کیلئے خوراک کی ضروریات پوری کرتی رہیں گی۔ اب تو محسوس ہوتا ہے کہ پورا ملک پلاٹوں کے پیچھے پڑنے سے زرعی ملک کا دامن تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان کی تیز رفتار آبادی اسی تناسب سے بڑھتی رہی تو زرعی زمینوں کا وجود ختم ہونے سے ضروریات زندگی پورا کرنا مشکل ہو جائیگا۔ پلاننگ کمیشن کے مطابق 77% شہری خوراک کے حوالے سے عمومی طور پر عدم تحفظ کا شکار ہیں اور قدرتی آفات میں یہ شرح مزید بڑھ جاتی ہے۔ 62% سے زائد، انتہائی کم اور زیادہ تر بے زمین لوگ دیہی علاقوں میں رہتے ہیں جن کا روزگار براہ راست زراعت ہے۔ زرعی شاریات 2000ء کے مطابق 40 ہزار افراد 100 ایکڑ یا زیادہ کے مالک ہونے کے ناتے زرعی آمدن کا بیشتر حصہ لے جانے کے سبب سماجی و سیاسی نظام پر یوں قابض اور صنعتی پیداوار کے مالک ہیں کہ سیاست، زراعت اور صنعت کی انٹر لاکنگ قائم ہو چکی ہے۔ گویا ہمارے ملک میں صنعتکاری، فیوڈل کلچر اور مفاد کے تحت ابھرتی ہے جو نئے تہذیب و تمدن کو ابھرنے نہیں دیتی اور یوں کالے دھن کی پیداوار بھی 35% کے برابر ہے۔

چونکہ دین اسلام، حیات اجتماعیہ کے تحت نوع انسانی کی بہبودگلی کا نام ہے، جس کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے تم صرف اپنی محنت کے معاوضہ کے حقدار ہو، باقی خدا کا حصہ ہے، جو ضرورت مندوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ انسان صرف محنت کرتا ہے، باقی سب خدا کا نظام کرتا ہے۔ اس لئے محنت کار پوری پیداوار کا بھی مالک نہیں بن سکتا۔ کیونکہ خدا کے نظام میں معذرو کی بجائے سختند انسان کا پیدا کرنا، اس کیلئے ہوا، پانی، بارش، روشنی (چاند، ستارے اور سورج) اور زمین جیسی نعمت خداوندی ہر کسی کیلئے عطا کرنا، کیونکہ انسانی خرید کے دائرے میں آسکتے ہیں (43/84)۔ اس لئے انسان محض اپنی محنت کا معاوضہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کی حد تک رکھ کر باقی اللہ (کے نظام) کے حوالے کر دے، یعنی (بذریعہ نظام) ضرورت مندوں تک پہنچا دے (27/30، 80/24-32، 27/21)۔ گویا قرآنی نظام میں ہر فرد زیادہ سے زیادہ محنت کر کے کم از کم اپنے پاس رکھ کر سسٹم کے تابع اجتماعی طور پر زیادہ سے زیادہ دوسروں کو دیتا ہے اور یہی انسانی ذات کی صحیح نشوونما ہے۔ جبکہ ربہ اور اس سے منسلک غیر قرآنی مروجہ معاشی نظام، قرآن کے نظام اقتصاد کی یکسر ضد ہے، جس میں ہر فرد کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ محنت دوسرے کریں اور اسے بلا محنت زیادہ سے زیادہ ملتا جائے۔ عہد عباسیہ اور انگریز دور کی روایات کے مطابق ہم نے غیر قرآنی نظام کے تحت زمین کی بٹائی، مضاربت اور تجارت کی مختلف شکلیں بدل کر غیر محدود منافع وغیرہ کو جائز قرار دے کر اپنے آپ کو فریب دے لیا ہے۔ حالانکہ انسان جو اسلام کے نزدیک سلسلہ ارتقا کی آخری کڑی نہیں ہے، اس کے علاوہ کوئی ذی حیات ایسی نہیں جو سامان زبست کو انفرادی ملکیت میں لے بیٹھے، وہ صرف اس سے اپنی ضرورت پوری کرتی ہے (29/60، 11/6) اور چیونٹیوں یا شہد کی مکھوں کی مانند مل کر رزق ذخیرہ کرتے ہیں تو وہ (بھی) انفرادی کی بجائے اجتماعی ضرورت کیلئے ہوتا ہے۔ اگرچہ مساوات کا مکمل نمونہ تو شاید آجکل قبرستان میں بھی نہ ملے، لیکن ایک نظام کے تحت معاشی عدل سے طبقاتی تقسیم کو کم سے کم کر کے انسان کا زندگی بسر کرنا منشاء فطرت ہے۔ گویا اس لحاظ سے ہمارے اعمال کے نتیجہ میں جنت یا جہنم معاشرے کی پیدا کردہ قلبی کیفیت کا نام ہے (78/26، 66/7) اور عبوری حیثیت رکھنے والی اس دنیا کی مادی زندگی میں جنت ہمیں نظام ربوبیت کے نفاذ سے حاصل ہوگی، جس میں ہر کسی کو اُس کا حق ملتا چلا جائیگا اور کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا اور نہ ہی خواتین کی قرآن سے شادی کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہی وہ صورت ہے جب انسان روٹی کی فکر سے آزاد ہو کر حیوانی سطح سے بلند ہوگا، جس سے انسانی توانائیاں اور صلاحیتیں اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے کام آسکیں گی۔ ایسے میں کامیابی، قوت اور عزت کا معیار دولت کی بجائے جذبہ خدمت ہوگا۔ تاہم طبقاتی تفاوت میں کمی کیلئے بنے ہوئے محلات کو گرانے کی بجائے جھونپڑیوں کو ابھار کر محلات کے برابر لایا جائیگا اور وسائل کی تقسیم اس انداز میں کی جائیگی کہ کسی کو بھوکا رہنے کا غم نہ آئے گا، نہ پیاس پریشان کریگی، لباس کی فکر ہوگی، نہ مکان کیلئے سرگرداں ہونا پڑیگا (20/118، 2/35، 41/10)۔ کیونکہ اسلامی نظام حکومت اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ اس کے اپنانے پر کوئی بھوکا نہیں مر سکتا اور نہ کوئی علاج معالجہ اور تیمارداری کے بغیر رہ سکتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو سکتی ہے۔

یہ مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے وضع کردہ نظام کی معرفت زمین پر چلنے والا کوئی ایسا ذی حیات نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہ لی ہو۔ سب کیلئے ہوا، پانی، روشنی اور خوراک پیدا کی، اور نظام حیات کو چلانے کیلئے امیر اور غریب کو کام کاج کی خاطر مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں دی گئیں، لیکن بنیادی ضروریات ہر دو کی برابر ہیں۔ ہر ایک کی انسانی ضروریات ایک جیسی ہیں اور ہر ایک کو برابر کے مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ جبکہ رزق کی تقسیم کمائی کی بجائے ضرورت کے لحاظ سے ہو۔ جیسا کہ ہر گھر میں افراد کی ضرورتوں کے اعتبار سے سامان زبست کی تقسیم، آمدن اور کمائی کی بجائے اُس کی ضرورت کے لحاظ سے کی جاتی ہے، ورنہ انسانی سکت نہ رکھنے والے بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو کمائی کے لحاظ سے کچھ بھی نہ مل سکے۔ مگر ہم ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور اگر گھر کی چار دیواری کا یہی اصول ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے معاشرے کے افراد کی ضروریات پوری کرنے کا اصول اپنائیں تو یہ دنیا حقیقتاً جنت بن جائے گی۔ کیونکہ معاشرہ بھی گھر ہی کی پھیلی ہوئی شکل ہے۔ صبح کے وقت گھر پھیل کر معاشرہ بن جاتے ہیں اور رات کو معاشرہ سمٹ کر گھروں میں محدود ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بادشاہ اور گدا، ہر دو کو بنیادی انسانی ضروریات کیلئے برابر سمجھتا ہے جن کا حصول ہر ایک کا بنیادی حق ہے جس کے تحت ملکی معاملات میں ہر انسان کی مشاورت اور فعال نمائندگی بھی ضروری ہے۔ اس لئے اقتدار اعلیٰ مملکت کے تمام باشندوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ مستقل اقدار کے مطابق حکومت قائم کرنا کسی ایک فرد یا پارٹی کا کام نہیں، بلکہ اس میں پوری اُمت شامل ہوگی (3/109)۔ مگر نہ جس کی نگاہ قرآن کے ملکی نظام حیات پر نہیں ہوگی اُسے اللہ تعالیٰ سرے سے ممکن العمل ہی نہیں سمجھے گا (4/136)۔ لہذا اللہ کی کتاب پر ایمان کا عملی مفہوم یہ ہے کہ اس کے مطابق حکومت قائم کی جائے ورنہ کفر ہے (5/44)۔ کیا تم ایسی روش اختیار کرنا چاہتے ہو کہ قوانین خداوندی کے ایک حصے پر ایمان رکھو اور دوسرے حصے سے انکار کرو۔ جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ اُسے اس دنیا میں بھی ذلت و خواری نصیب ہوگی اور وہ قیامت میں بھی شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا (2/85)۔ بیشک کائنات میں بقاء و استحکام اور ثبات و دوام ایسے ہی نظریہ، تصور اور نظام کو ہوگا جو کسی خاص گروہ، ملک یا قوم کی بجائے نوع انسانی کیلئے منفعت بخش ہوگا (13/17)۔ لیکن افسوس کہ انسان کی مفاد پرستیوں اور چیرا دستیوں نے سامان زبست پر انفرادی ملکیت کا تصور پیدا کر کے جنت کو جہنم میں بدل دیا ہے، جسے قرآن ہبوطِ آدم سے تعبیر کرتا ہے جو باہم دشمنی کا باعث ٹھہرا (2/36)۔

لہذا آغاز میں تمام حدود و ملکیت ختم کر کے زمین کا اجتماعی صورت میں ریکارڈ محض ریونیو کے کاغذوں اور کمپیوٹرز میں محفوظ رکھا جائیگا۔ خانہ ملکیت میں اگرچہ مالک کے طور پر حکومت کا نام ہوگا، لیکن کاشت کے خانہ میں صرف کاشتکار کا نام ہوگا اور زمین بغیر کسی دیوانی مشکلات کے خریدی اور فروخت کی جاسکے گی۔ ایسی صورت میں ہر انسان کی کمائی کا کھاتہ ہمہ وقت حکومت کے تصرف میں ہوگا، مگر کھاتہ دار بوقت ضرورت حسب منشاء لے سکے گا جو اس کے کھاتے سے منہا ہو جائیگا۔ اسلامی نظریے کا سب سے زیادہ روشن اور قابل ستائش پہلو بھی یہی ہے کہ اس نے وسائل اور ذرائع کو ناکارہ نہ بنانے کی نمایاں طور پر ترغیب دی ہے۔ اس لئے تصرف میں نہ آنے والی فالتو بچی ہوئی دولت حکومت کے پاس جمع کروا کر اجتماعی خدمات کی انجام دہی کا باعث بنائی جائیگی کہ مجموعی بچتوں اور دولت کے بہاؤ کے مالی مبادل میں توازن قائم رہے۔ اضافی بچت کو خزانہ میں منتقل کیا جاسکے گا اور محصولات کی ناکافی آمدنی کی صورت میں راست محاصل کے ذریعے اس کی تلافی کی جاسکے گی۔ ہر شخص سے جتنی بچتیں حاصل ہوگی اُنکا الگ حساب رکھا جائیگا، تاہم اس محصول کے تناسب سے اُسکو دوران معذوری و ضعیفی مناسب امداد مہیا کی جاسکے۔ بالفاظ دیگر ایسے افراد جو ایک معینہ عمر سے تجاوز کر کے زراعت اور صنعت و ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لیں گے اُنکے گزر بسر کے انتظام و انصرام کے علاوہ اُن کے نو عمر افراد کی تعلیم و تربیت وغیرہ کے انتظامات کیلئے بروقت

اقدامات اٹھائے جائیں گے، تاوقتیکہ وہ سماجی معیار کے مطابق زراعت اور صنعت و حرفت میں عملی حصہ لینے کے قابل نہ ہو جائیں۔

نظام ربوبیت کے مکمل نفاذ تک عبوری بندوبست کے تحت ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ موجودہ صدی کے انقلابی معاشی پروگرام کے حامل ”بیدار پاکستان“ کے ایجنڈا کی تکمیل کرتے ہوئے زرعی ترقی کی خاطر حکومت اگلے مرحلے میں ہر چھوٹے بڑے زمیندار کی زمین پٹہ پر لے کر بیس فیصد حصہ پر کارپوریٹ فارمنگ کے تحت جنس اور موسم کی موزونیت کے ساتھ مرضی کی فصلیں کاشت کروا کر اجتماعی زراعت کے منافع بخش منصوبے تکمیل کرائے یا حکومت زمینداروں کو تمام سہولیات مہیا کرنے کے عوض فصل کا بیس فیصد حصہ لے جس سے مفت ادویات اور پانی وغیرہ کے اخراجات پورے کیے جاسکیں۔ اس طرح حکومت کی جانب سے اشتراکی زمینداروں کو فصلوں کی متوقع آمدنی کا ساٹھ فیصد معاوضہ سال کے شروع میں ہی ادا کر دینے سے چھوٹے کاشتکاروں کو روپیہ ملنے سمیت اپنی زمینوں پر کام کرنے کا موقع بھی مل سکے گا جس سے نہ صرف مارویا مر جاؤ کی موجودہ صورتحال کا خاتمہ ہوگا، بلکہ منافع خور، کسانوں اور زمینداروں کی مجبوریوں کا فائدہ بھی نہیں اٹھاسکیں گے۔ بعض ممالک تو ضرورت سے زائد پیدا شدہ اناج اپنے کسانوں سے مارکیٹ ویلیو پر خرید کر غریب ممالک کو امداد کے طور پر ”بھینٹ“ دیتے یا سمندر میں غرق کر کے اپنے دہقانوں کا معاشی استحصال ہونے سے بچاتے ہیں، تاکہ فصلوں کی ارزانی کا شکار ہو کر وہ دیہات ہی نہ چھوڑ جائیں۔ ایسی تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے اور دیہاتوں کو اڑنے سے بچانے کیلئے زرعی اصلاحات کے تحت جدید مشینوں کیساتھ حکومتی کنٹرول میں چھوٹے (بڑے) کاشتکار اور مزارعین اجتماعی کاشتکاری نظام سے اشتراکی بنیادوں پر منسلک ہونگے جنہیں کھاد، کیڑے مار ادویات، پانی اور ایندھن جیسی تمام تر ضروری سہولیات مفت فراہم کی جائیں گی۔ حکومتی نگرانی میں ہونے والی کاشتکاری سے ملک کے کسی بھی حصہ میں پوست جیسی نقصان دہ فصلیں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے منشیات کا جڑ سے خاتمہ ہوگا۔ نئے اسلوب میں بیجائی کیلئے ہوائی جہاز بھی استعمال کیے جاسکیں گے۔ اس طرح حکومتی اشتراک سے یقیناً زمین بخر نہیں رہے گی اور ملک بھر میں موجود اراضی کا چپہ چپہ قابل کاشت ہو جائیگا۔ حکومت اناج گوداموں میں محفوظ کرنے کے علاوہ فصلوں کی ضرورت سے زیادہ پیداوار کو برآمد کر کے نہ صرف قیمتی زرمبادلہ کماسکے گی، بلکہ ملکی درآمدات و برآمدات کا توازن یکسر یوٹرن لے کر اندرونی و بیرونی سرمایہ کاری اور امن و امان کیلئے حوصلہ افزاء ہوگا۔ البتہ جو زمیندار اس کارپوریٹ فارمنگ میں شامل نہیں ہونا چاہیں گے، حکومت ان کی زمین لینے میں زبردستی نہیں کریگی، مگر ایسے کاشتکار کارپوریٹ فارمنگ کے ساتھ منسلک زمینداروں کے ہم پلہ مراعات لینے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے جس سے ان کی کاشتہ فصل پر لاگت زیادہ آنے کی وجہ سے منڈی کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو تفریق و نفاق کا سبب بننے والے ہمارے سماجی و معاشی نظام کا خاتمہ کر کے ہر مزدور، کسان، ہاری، مزارع، یا برہمن برہمن سے ملازم چلے آنے والے افراد کو معاشی لحاظ سے مستحکم بنا کر یکساں حقوق دے دیئے جائیں تو جاگیردار، صنعتکار اور رئیس طبقات سے تعلق رکھنے والے 90 فیصد رسول و خاکی حکمرانوں اور سیاستدانوں کی غلامی کون کریگا؟ تاہم ایسے طاقتور طبقوں کے خاتمہ کیلئے قرآنی تصریحات کی روشنی میں **لاحدود رقبوں کی ملکیت کی تحدید (حد بندی) کر کے معینہ مدت کیلئے اس حد تک اراضی تقسیم کر دی جائیگی کہ جب تک وہ خود اس پر کاشت کر سکتا ہے اپنے سمیت زیر کفالت اہل عیال کی پرورش کرتا رہے** اور اس عمل کی بتدریج حتمی تکمیل کیلئے سورہ الرعد کے مطابق رقبوں کو موجود (ہ) بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھوں سے سیکڑنا اور سینیٹا (کم کرنا) ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے (کہ ان کی ملکیت ختم ہو) اور دنیا کی کوئی طاقت ان کے فیصلے کو ٹوٹا نہیں سکتی، اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے (13/41)۔ سرمایہ داری نظام کی ضد قرآن کا وضع کردہ نظام ربوبیت (پرورش) انبیاء کرام نے اپنے وقت میں اپنی اقوام کے سامنے پیش کیا۔ لیکن مترفین (سرمایہ داروں) کی طرف سے اسکی سخت مخالفت ہوئی (8/36) جنہوں نے اپنے گھروں کے باہر اللہ کے خاص فضل و کرم کی نمایاں تختیاں لگا رکھی ہیں۔ وہ یہ جان لیں کہ ایسے **خصوص افراد پر اللہ کی جانب سے ہذا من فضل ربی جیسے انسانی زندگی کے اتفاقات و حقیقت ہماری معاشرتی ناہمواریوں کے نتائج ہوتے ہیں جن میں اللہ کے ضابطوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسلامی نظام میں مال پر انفرادی ملکیت کسی فرد کی نہیں رہتی، وہ خدا کا مال ہو جاتا ہے (24/33) اور جو لوگ دیندار ہونے کے مدعی و دعویدار ہیں، مگر تیری میری کے چکر میں پڑے ہیں، وہ عملاً دین کی تکذیب کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی نمازیں اُن کے منہ پر مادی جائیں گی۔ ایسے نمازیوں کیلئے انجام کار تباہی ہے جو صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر اور اسکی غرض و غایت سے غافل رہ کر یہ سمجھتے ہیں کہ نماز کے محسوس و مرئی ارکان کی ادائیگی کا نام صلوٰۃ ہے وہ انہیں ادا کر لیتے ہیں (107/1-7)۔ ارض باری تعالیٰ پر نظری عقیدہ رکھنا اور عملاً اراضی زید، بکر، عمر کی ملکیت میں دے دینا، قرآن کی رو سے شرک ہے، کفر ہے، تکذیب دین ہے (41/9، 10)۔ تمہیں یہ ارض اللہ پر پابندیاں و حد بندیاں عائد کرنے کا حق نہیں پہنچتا (11/64، 7/73)۔ حضرت صالحؑ کے زمانہ میں قوم ثمود کے سرداروں نے کھلی چراگاہیں اور پانی کے چشمے ذاتی قبضہ میں لے کر رزق کے آب رواں روک کر تکذیب دین کی۔ کیونکہ جنت کے جاری چشموں کے پانی کو آب رواں کہا گیا ہے (88/12)۔ حالانکہ یہ زمین خدا کی ہے، ناکہ تیری نہ میری (7/73)۔ اسی طرح کا واقعہ سرزمین مدین میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پیش آیا تھا، جہاں صاحب اقتدار سرداروں کے چرواہے، کمزور و ناتواں لڑکیوں کے مویشیوں کو پانی نہ پینے دیتے تھے (28/23) جس پر حضرت صالحؑ نے جانوروں کی باریاں مقرر کر کے حل نکالا (91/13، 26/155)۔ گویا ہر ایک کا (حصص کے مماثل) اشتراک پیدا ہو گیا یا کر دیا گیا۔ اس لئے اگر مشترکہ کاروبار کے تحت زمین جیسے عطیہ قدرت کو اللہ کا سرمایہ (ہی) سمجھ کر اپنے حصہ کی محنت کر کے کمائے ہوئے منافع سے شراکت داری اصولوں کی رو سے (وہ بھی ضرورت کے لحاظ سے) اپنے مختارانہ کا معاوضہ لے کر باقی خدا کے سرمایہ (زمین) کے عوض اللہ کا حصہ نظام ربوبیت کے حوالے کر دینے سے معاشرے کے ضرورتمند طبقوں کی نشوونما ہوتی رہے گی اور اس صورت میں متعین فیصدوں کے حساب سے زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اسی اصول کے تحت آپؐ اور صحابہؓ نے اپنے پاس فالتو دولت اکٹھی نہ ہونے دی کہ زکوٰۃ جیسے عبوری بندوبست کے کرنے کی نوبت پیش آتی۔**

’حضرت نوحؑ کے بعد دیگر انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے قرآن بتاتا ہے کہ عادی طرف حضرت ہود اور ثمود کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا گیا تھا، لیکن عادی و ثمود، دونوں ہی قوموں نے نافرمانی کی اور عذاب اللہ کا شکار ہو گئیں۔ یہی حال قوم لوط کا بھی ہوا، جس میں حضرت لوط کی نافرمان بیوی بھی قہر الہی کا شکار ہو گئی۔ یزیدی حضرت امام حسینؑ سے کوئی ذاتی دشمنی تھی نہ ہی وہ خلافت و حکومت

کے خواہشمند تھے۔ اصل جھگڑا تو یہی تھا کہ یزید نہ صرف حضرت امام حسینؑ کی حلقہ اثر کو، بلکہ پورے دین کو حدودِ حرم اور مسجدوں کی چار دیواری تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امام حسینؑ دین کی تبلیغ کریں اور جہاد کیلئے لوگوں کی عملاً تدریس ہو، جس کیلئے وہ بڑے بڑے علمی تبلیغی اور تعلیمی مراکز کھولنے کیلئے تیار تھا۔ یہاں تک کہ حضرت امامؑ اور اہل بیت اللہ کو بڑے سے بڑے وظائف دینے کو بھی تیار تھا، مگر یہ بات اس کیلئے ناقابل برداشت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول کی تعلیمات کو ایوانِ حکومت اور عملی زندگی کے دیگر شعبوں میں عملاً نافذ کر دیا جائے، جس سے جابر و ظالم اور نفس پرست حاکم پر ایسی پابندیاں لگ جائیں کہ وہ کھل کر کھیل نہ سکے اور عجمی بادشاہوں کے ٹھٹھ باٹھ حاصل کرنے کی بجائے خلفائے راشدین کی طرح عام انسانوں سے بھی کم تر درجہ کی مادی زندگی گزارے اور خود مکی، بجائے خادم بن کر رہ جائے۔ ادھر امام حسینؑ اس پر اٹل تھے کہ دین کا کوئی عمل بھی پوری طرح سے نافذ کیا جائے، تاکہ سیاست، معیشت، تجارت اور سماجی زندگی کے تمام گوشوں میں کتاب و سنت کی حکمرانی ہو۔ اس کیلئے آج بھی مذہبی رسومات و عبادات کا اجتہادی نقطہ نظر سے اسر نو جائزہ لینا انتہائی اہم ہے، تاکہ دین اور دنیا ہماری عملی زندگی کا مربوط حصہ ہو جائیں۔ اس نسبت ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کیا ہماری زندگی کے ہر شعبے کے اندر احکامِ خداوندی کے منافی اپنے ارادے، فیصلے اور افعال و کردار کے عملی اعتراف سے سرکشی رہتے والا مسلمان اپنی موجودہ نماز میں رسمی طور پر سر جھکا دینے سے صلوٰۃ و زکوٰۃ کے اسلامی مقصد کو کس حد تک پورا کر رہا ہے؟ مروجہ نماز میں قوانینِ خداوندی کے اتباع کے سمنے ہوئے وقتی اجتماعات کی حامل مسلمانوں کی نمازیں، روزے، زکوٰۃ اور حج جیسے اعمال، اسلامی معاشرہ کے قیام میں ناکام کیونکر ہو رہے، جو نبیؐ اور صحابہؓ کے عہد میں ایک ہی طریقہ نماز کی ادائیگی سے وحدتِ امت کا تاثر نمایاں کرتے تھے؟

بلاشبہ قرآن عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے اور محض نمائش، بناوٹی یا ظاہر داری کو کوئی وزن نہیں دیتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا جو شخص محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ اُس کا خدا مر گیا ہے۔ لیکن جو خدا نے ہی و قیوم کا پرستار ہے اس کا خدا زندہ و پائندہ ہے۔ اللہ اور رسول سے حقیقی و سچی محبت اور تعظیم یہ ہے کہ دکھلاوے کی پرستش کی بجائے سچ بولو، عہد و پیمان کا خیال اور امانتوں کی حفاظت کرو۔ ہمارے ہاں ادا کی جانے والی نماز کا لفظ فارسی (پہلوی) زبان میں (بتوں کی) پرستش کیلئے استعمال ہوتا تھا، بعد میں یہ صلوٰۃ کے ایک خاص قسم کے عمل و اجتماعات کیلئے استعمال ہونے لگا اور اب ہمارے ہاں مذہبی طور پر یہی لفظ مروج ہے۔ وحی شدہ دین کے جملہ عناصر جو نظامِ زندگی کے ستون تھے، وہ رفتہ رفتہ مذہب میں بدل کر بتدریج پوجا پاٹ بن گئے، جن کا عملی زندگی سے دور کا واسطہ نہیں ہے۔ قائد اعظمؒ کا بھی کہنا تھا کہ جس مذہب کو انسانی معاملات سے واسطہ نہیں وہ اُسے مذہب ہی تسلیم نہیں کرتے (تقاریر جناح، صفحہ: 139-140)۔ جس طرح اقبالؒ کو ہمارے قائم معاشرتی جمود بلکہ صورتِ معکوس کا احساس تھا، اُسی طرح قائد اعظمؒ نے روزنامہ انقلاب لاہور کی 23 مارچ 1932ء کی اشاعت میں مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تمہارے دین کی عظیم الشان بلند نظری، ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ ادبام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک ایسے قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کیلئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں، بلکہ آچکے ہیں۔ ایسے حالات اہل مدین کے بھی تھے، جب حضرت شعیبؑ خدا کا پیغام لے کر آئے تو اس قوم نے ہماری آج کی مروجہ نمازوں کے مفہوم کی مانند اپنے رائج مذہبی تصور کے مطابق خدا کی عبادت (پرستش) کو محض نماز پڑھنا (قیامِ صلوٰۃ) ہی سمجھا جس کا دائرہ اصلاً مسجد کی چار دیواری تک محدود تھا۔ جس پر اس قوم نے کہا کہ ”اے شعیبؑ! کیا تیری صلوٰۃ یہ حکم بھی دیتی ہے کہ ہم وہ چیزیں چھوڑ دیں جو ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔ یا ہم اپنا مال و دولت بھی اپنی مرضی سے خرچ نہ کریں (11/87)۔ قوم شعیبؑ کو اپنے نبیؑ سے یہ گلہ تھا کہ اسکی تلقین کردہ نماز مسجد تک محدود کیوں نہیں ہے۔ یہ نماز اُن کی پوری زندگی اور اُن کے رسم و رواج پر اثر انداز کیوں ہو رہی ہے۔ نماز اور اُسے پڑھنے پڑھانے والوں کو کیوں لگام نہیں دی جاتی کہ وہ اپنا دائرہ کار اور حلقہ اثر مسجد تک محدود رکھیں اور اپنی سرگرمیاں ایوانِ حکومت و تجارت تک نہ لے کر آئیں۔ یہ عجب نماز ہوئی جو روزی کمانے کے طریقوں کو متاثر کرے۔ آخر نماز کا اس بات سے کیا واسطہ کہ ہم اپنے مال کی طرح سے خرچ کریں یا نہ کریں۔ مال و املاک ہماری ذاتی ملکیت ہیں، کیا انھیں تصرف میں لانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول سے پوچھنا پڑے گا کہ کس طرح سے تصرف میں لائیں۔

بیشک قیامِ صلوٰۃ سے مراد ”نماز قائم کرو“ یعنی نماز پابندی کے ساتھ پڑھ کر خدا کی پرستش کرو، جس کا آج کی ادا کردہ نمازوں کے مطابق ”معاشری امور“ سے بظاہر کوئی واسطہ دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ صلوٰۃ کا لفظ قرآن میں معنوی اعتبار سے بڑا وسیع اور جامع مفہوم کے طور پر آیا ہے، جس میں نماز کے علاوہ ایک مومن، زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانینِ خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے، وہ یہ فریضہ ادا کر رہا ہوتا ہے جس کیلئے وقت، مقام یا شکل کا تعین ضروری نہیں اور جو مسلمان اس نکتہ کو سمجھتے ہیں وہ یقیناً اقامتِ صلوٰۃ اور ایٹائے زکوٰۃ کے حاملین، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں (98/5)۔ یعنی صلوٰۃ موقت (2/239، 103، 101، 4/43، 58، 6/5، 11، 9/62) کے پلٹ فارم پر اقامتِ صلوٰۃ کی اصطلاح کے وسیع و جامع مفہوم سے ایسا معاشرتی نظام عمل میں لا کر قوانینِ خداوندی کا اتباع کرنا ہے کہ عبادات اور روزے وہی نتائج دیں جسکے متمنی ہیں۔ ایسے میں نماز یقیناً برائیوں سے روک سکتی ہے (29/45)۔ قیامِ صلوٰۃ کی قرآنی اصطلاح کے مطابق ایسی سماجی فضا پیدا کی جائیگی جس سے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، تمام افراد قوانینِ خداوندی کے تابع نظامِ ربوبیت کا اتباع کریں گے جس میں موقت نمازوں کے اجتماعات بھی مومن کی ساری زندگی پر محیط، اقامتِ صلوٰۃ کے نظام کا ایک حصہ ہونگے، جس کی بناء پر قرآن میں بار بار، قیامِ صلوٰۃ اور ایٹائے زکوٰۃ کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے۔ مگر بد قسمتی سے ”کرنے“ کا عمل (صرف) پڑھنے میں بدل گیا اور یوں قیامِ صلوٰۃ سے صرف نماز پڑھنا رہ گیا ہے۔ ایک غیر مسلم کا کہنا ہے کہ قرآن عمل کی کتاب تھی دُعا کی کتاب بنادیا، سمجھنے کی کتاب تھی پڑھنے کی کتاب بنادیا، زندوں کا دستور تھا مردوں کا منشور بنادیا۔ مردہ قوموں کو زندہ کرنے کی کتاب تھی مردوں کو بخشوانے کی کتاب بنادیا، اے مسلمانو! تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔ بلاشبہ تو یہ کچھ پڑھ کر خدا سے بخشش مانگنے کی بجائے تلافیِ مافات کیلئے عملاً کچھ کرنے کا نام ہے اور دُعا کا رشتہ خالصہً انسانی جذبات سے ہے اور قرآن کریم کی تلقین و تاکید یہ ہے کہ تم، تمام مسائلِ حیات کے متعلق فکر و تدبیر سے کام لو اور ان پر علم و بصیرت کی رو سے غور کرو۔ فکر و جذبات کا یہی تصادم ہر عبادت اور پرستش میں پایا جاتا ہے جو درحقیقت دُعا ہی کی تمہید ہوتی ہے۔ جتنا زیادہ یہ محویت پسند عمل پُر خلوص اور پُرسوز ہوتا ہے، اتنا ہی

زیادہ اس میں فکر و تدبیر کی آلائش کا مفقود ہونا یقینی ہو جاتا ہے، جو قبولیت کے نزدیک ترین مانا جاتا ہے، مگر قرآن کریم کے بار بار غور و فکر کرنے کی تائید و تاکید کے منافی ہے (220-219/2)۔

اسی طرح اتیانے زکوٰۃ کا مروجہ مفہوم دوسروں کی نشو و نما، بالیدگی، بڑھنے، پھلنے، پھولنے اور ترقی (24/55, 22/41, 23/4) کی بجائے انفرادی خیرات رہ گیا ہے، جو تصور قرآنی کے منافی ہے، جس میں سرمایہ دار بلا کسی روک ٹوک، دولت کے انبار لگا رہتا ہے اور سال کے بعد اڑھائی فیصد خیرات دے کر اپنے آپ کو بری الزمہ قرار دے لیتا ہے۔ ایسے لوگ دراصل رزق کے ان سرچشموں پر بند لگا کر بیٹھ جاتے ہیں جنہیں بھتے پانی کی طرح رواں دواں رہنا چاہیے۔ کیونکہ غیر قرآنی نظام میں وسائل اور استعداد سے محروم طبقات کی پرورش کیلئے امیروں کی خیرات سے انسانی ذات کی ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا باہمی رشتہ ایسا استوار ہے کہ جو لوگ دولت کو ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھتے ہوئے دل میں کبیدگی محسوس کرتے ہیں، ان کی نمازیں بھی بانجھ ہوتی ہیں (9/54)۔ یعنی جو صلوٰۃ، ربوبیت عامہ کی مانع ہو جائے، وہ صلوٰۃ کیا ہوگی۔ صلوٰۃ کو بالکل ترک کر دینے سے اس کا احساس تو ہوگا کہ ہمارے معاشرے کی تباہی قیام صلوٰۃ کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ لیکن صلوٰۃ کو ”سہم نماز“ میں بدلنے سے جھوٹا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ ہم صلوٰۃ کے پابند ہیں اور معاشرہ کی خرابی کا باعث کچھ اور ہے۔ جبکہ ایسے نمازیوں کیلئے تباہی ہے جو غفلت و ریا کاری سے کام لیتے اور یتیموں کو دھکے دیتے ہیں جتنا جوں کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں نکالتے اور ضرورت مندوں کو اشیائے ضروریات دینے سے گریزاں ہوتے ہیں (7-107/2)۔ صد حیف کہ سمٹ سمٹا کر ایمان چند الفاظ کو ایک خاص طریق سے دہرا لینے اور اعمال چند رسوم کی میک کی انداز میں ادائیگی کا نام رہ گیا ہے۔ مگر کیا لوگ یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں اس لئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان پر کوئی آزمائش نہیں ڈالی جائیگی (29/2)۔ نہیں ہرگز نہیں! کیونکہ ”تمہاری آرزوؤں اور اہل کتاب کی تمناؤں کے مطابق نہیں، بلکہ جو بھی بُرا کام کرے گا اس کی سزا پائیگا“ (4/123)۔ یاد رکھو! غلط کاموں کے تخریبی نتائج کی تلافی اچھے کام کرنے سے ہوتی ہے (11/114) اور پھر ایسے میں ان کی ناہمواریاں، ہمواریوں میں بدل جاتی ہیں (25/70) جو باطل کے غلط و فساد راستے چھوڑ کر صحیح راستوں پر چل پڑتے ہیں، کامیابیاں ان کے قدم چومتی ہیں (28/67, 27/11)۔ گویا غیر قرآنی اقدار کا حامل معاشرہ جہنم ہے جہاں خوشحال لوگوں کی سرکشی پر بد حال و نیک لوگوں کی حد کفر تک خاموشی ایک ناقابل معافی جرم بن چکا ہے اور شر اور بُرائی حد درجہ بڑھنے سے بُروں سمیت نیک بھی ہلاک کیے جا رہے ہیں۔ بیشک جس قوم یا فرد میں غیرت کی جتنی کمی ہوتی ہے اُس کا خون اتنا ہی ارزاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اُنکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں (الرعد)۔

اسلامی زندگی چونکہ عملی و مشترک زندگی ہوتی ہے جس کے تحت دنیاوی جنت اسلامی مملکت میں انسانی زندگی کو بلند یوں کی طرف لے جانے والے مومنین کے متشکل معاشرہ کا نام ہے جس کا تسلسل آخرت کی جنت ہے۔ یعنی یہاں کے مادی پیکروں کی جنت، آخری روحانی جنت ہی کا عکس ہوگی جس میں صلاحیتوں کے اعتبار سے اختلاف مدارج تو ہوگا، لیکن آسائشوں کے لحاظ سے طبقات کی تقسیم نہیں ہوگی۔ جہاں ہر ایک کو تمام نعمتیں یکساں طور پر ملیں گی، نہ کہ بعض کیلئے تو آسائشیں میسر ہوں اور باقی لوگ بھوکے مریں۔ مگر کھوئی ہوئی جنت کو دوبارہ حاصل کرنے کیلئے انسان کو عمل پیہم اور جہاد مسلسل کے تحت خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار کی روشنی میں دنیاوی سماج کو اس طرح متشکل کرنا ہے کہ پوری نوع انسانی ایک عالمگیر برادری بن جائے جس میں اخوت و اشتراک کی زندگی ہو۔ جہاں طبعی ضروریات پوری ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی ذات کی بھی نشو و نما ہو۔ آدم کو دی گئی جنت فطرت کی بخشش کا نتیجہ تھی جہاں سے وہ لغزش سرزد ہونے پر نکال دیئے گئے، جبکہ ابن آدم کی جنت اس کے خون جگر کے عوض حسن عمل کے تسلسل کا ارتقا کی نتیجہ ہوگی، جہاں سے اُسے (بخشش کے طور پر ملی ہوئی جنت کی طرح) کوئی نہیں نکال سکتا (15/48)۔ صحیح اعتدال اور توازن پر مبنی وہ جنت جو ارض و سما میں پھیلی ہوئی ہے (57/21, 3/132) جو انسان کے اپنے اعمال کا فطری نتیجہ ہوتی ہے (43/72, 7/43) وہ اعمال کے بدلے لینے کی بجائے کچھ کیے بغیر خیرات کے طور پر لینا ایسے ہی ہے کہ گدا گروں کی قوم، بہشت بھی فی سبیل اللہ لینا چاہتی ہے۔ حالانکہ ایمان و عمل صالح کے نتیجہ میں متشکل شدہ جنت تو وہی ہوگی، لیکن ہر دور میں سامان رزق بالکل وہی نہیں ہوگا، بلکہ ملتا جلتا سا ہوگا (2/25) اور یہ جنت ارتقا کی سفر کا آخری مقام نہیں ہے، بلکہ وہ ان منازل میں سے ایک منزل ہے جہاں سے سفر حیات میں آگے بڑھنا ہے۔ یعنی جنت یا جہنم ابدیت کے حامل نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جیسی ازلیت یا ابدیت کسی کو نہیں مل سکتی۔ اس لئے حیات جاوداں بھی اللہ کی ابدیت جیسی نہیں ہوگی۔ بیشک جہنمی یا جنتی اپنے اپنے اعمال کے مطابق جہنم یا جنت میں ”ابدی طور پر“ رہیں گے۔ مگر وہ اس میں اس وقت تک رہیں گے جب تک زمین و آسمان باقی ہیں۔ ہجر اس کے جو حقیقت خداوندی میں ہے جس کے مطابق ارض و سماء کا قیام دوام ہے“ (11/107, 108)۔

بیشک جب نظام ربوبیت کے تحت اسلامی مملکت میں عبادات کا مقصد (اور شرعی صورت میں پورا ہونے سے سماجی کیفیت ’جنت‘ کی سی ہوگی تو یقیناً تب صیام و صلوٰۃ و زکوٰۃ میں ڈھیل یا موقوف ہو سکتا ہے، کیونکہ جنت میں روزے رکھنے، نمازیں پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چونکہ روزہ رکھنے کے حکم کا مقصد دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس دلانا ہوتا ہے اور جب روزے کے دوران کسی سے بھوک پیاس برداشت نہ ہونے کی وجہ سے زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے تو ایسے میں وہ روزہ توڑ کر ساٹھ (60) بھوکے پیاسے افراد کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کر سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی صلوٰۃ و زکوٰۃ میں سے عملی نماز کو اس انداز میں ادا کیا جائے کہ زکوٰۃ (جس کی پھر ضرورت نہ پڑے) کی صورت میں افراد معاشرہ کی معاش درست ہو جانے پر کوئی بھوکا پیاسا رہے اور نہ ہی ضرورتوں سے محروم ہو، تو ایسے میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے کہ نتیجتاً اسلامی مملکت میں نظام ربوبیت کے تحت مستظاہر مردوزن کو بلا امتیاز سہولتیں میسر ہونے پر دکھلاوے کی نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئیگی۔ گویا عبوری بندوبست کے بعد حقیقی معنوں میں نظام ربوبیت (اسلام) کا نفاذ ہو جائے۔ اس طرح مملکت اسلامی میں قرآن کے احکامات و قوانین کا نفاذ ہی نظریہ پاکستان کا حصول ہوگا۔ گویا وحی (قرآن) کی ہدایت کے مطابق تعین منزل کا نام ایمان ہے اور اُسکی طرف عملاً قدم اٹھانا اسلام اور نظریہ پاکستان ہے اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین (نظام) اختیار کرے وہ مردود ہے (84-85/3)۔ قرآن ہی ہم میں مشترک نامیاتی چیز ہے جو جامد نہیں ہو سکتا، نہ ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ کائنات کی ہر شے دین اللہ کو اختیار کئے ہوئے ہے جسے اختیار کرنا ہی اسلام ہے۔ یعنی کائنات کی ہر شے کا دین (نظام زندگی) اسلام ہے۔ ہر شے قوانین خداوندی کی اطاعت کر رہی ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ کی تصریح تو خود قرآن نے سورہ توبہ (60) میں کر دی ہے جس میں اگرچہ زکوٰۃ کیلئے زکوٰۃ ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے مروجہ نصاب و شرح، مصارف اور مدت وغیرہ کا کہیں ذکر نہیں ہوا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت نظامِ ربوبیت کے عبوری دور سے متعلقہ اور وضاحت طلب ہے۔ عمومی نصاب میں چاندی 52.5 تولہ، سونا 7.5 تولہ، اونٹ پانچ عدد اُڑس، گائے تیس عدد اُڑس، بکریاں چالیس عدد اُڑس وغیرہ کے موازنہ کے تحت فرض کریں کہ چاندی کا بھاء پانچ روپے تولہ اور سونا چھ سو روپے تولہ ہے جس کے مطابق تقریباً اڑھائی سو روپے مالیتی چاندی کے حامل شخص پر (5 روپے 52.5x نصاب) زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن 7.5 کی بجائے 7 تولہ (یا اس سے کم) کی قیمت کے برابر ہزاروں روپے مالیتی سونے (600 روپے 7x نصاب) کے زیورات کا حامل زکوٰۃ سے کیونکر مستثنیٰ ہوگا؟ اسی طرح 30 کی بجائے ہزاروں/ لاکھوں روپے مالیتی 29 (یا کم) گائے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیوں ہوگی۔ گویا کم مالیت چاندی والا نسبتاً غریب تو زکوٰۃ دے مگر سونے اور دیگر قیمتی مال و جواہرات والا امیر کیونکر مستثنیٰ قرار پائے؟۔ یقیناً یہ قرآن کی منشاء نہیں ہو سکتی۔ زکوٰۃ کے معنی بالیدگی، بڑھنا، پھلنا، پھولنا اور نشوونما کے ہیں۔ یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے معنی نشوونما دینے، کسی کے بڑھنے، پھلنے پھولنے کا انتظام یا سامان مہیا کرنے کے ہیں (22/40+41)۔ فرمایا ”زمین میں کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو“ (11/6)۔ ”ہم اُنکے اور اُنکی اولاد کے رزق (سامانِ زیست) کے (بھی) ذمہ دار ہیں (6/151)۔ اس نسبتِ خدا کی یہ ذمہ داریاں پورا کرنے کیلئے مومنین کی جماعت اسلامی نظامِ متشکل کر کے پورا کرتی ہے، ناکہ خدا آسمانوں سے اُتر کر آتا ہے۔ فرمایا تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (61/14) جو خدا کی مدد کرتا ہے، خدا اُس کی مدد کرتا ہے۔ اے جماعتِ مومنین! اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا (47/17)۔ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسد دیا ہے انہیں کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔ کون ہے وہ جو اللہ کو اچھا قرض دے؟ تاکہ اللہ اُسے اُس کیلئے کئی گنا بڑھا دے (57/11، 18)۔ یہاں مدد کرنے کی سبقت یا پہل انسانوں کی طرف سے توقع کی گئی ہے۔ یعنی جو جماعتِ خدا کی مدد کرے گی، خدا اُس کی مدد کرے گا۔ بیشک خدا کسی کی مدد کا محتاج نہیں اور خدا کی مدد کرنے سے مراد ہے کہ اس کے پروگرام (نظامِ ربوبیت) کی حتمی تکمیل (دین کی اقامت و استحکام) کیلئے کوشش کرنا ہے، وہ تمہیں ثابت قدمی عطا کرے گا (47/17) اور خدا ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے (8/66) اور بطور لیڈر امورِ مملکت میں مردوزن کو برابر کا شریک ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ مومن مردوزن باہم رفیق اور دوست ہیں جو بالمعروف اور بنی المکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں (3/100-5+110)۔ نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے اور (عبوری دور میں) ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام کرتے ہیں (9/71) تاکہ غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں آجائے۔ اس کیلئے اسلامی حکومت لوگوں کی بے مصرف کمائی سے ضروریات کے لحاظ سے (زکوٰۃ کی) شرح کا تعین کر سکتی ہے۔ حکومت سامانِ نشوونما (زکوٰۃ) کیلئے متذکرہ سورہ توبہ کی آیت 60 کی روشنی میں الگ سے عطیات و صدقات دینے کی (بھی) اپیل کر سکتی ہے، بلکہ فطری آفات، سیلاب، زلزلہ، وبا، جنگ یا جہاد جیسی ہنگامی صورتحال میں اسلامی سلطنت کے اندر نہ صرف محنت بلکہ اصل کو بھی جبری طور پر حاصل کرنے کا حکومتی حق حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ملکی دفاع کیلئے جہاد کی خاطر جان کا نذرانہ بھی طلب کر سکتی ہے اور ایسے مصارف موجودہ نسلوں کو ہی برداشت کرنے پڑتے ہیں جنکا بار، ورثہ کے طور پر آئندہ نسلوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ہر بالغ مردوزن کو ڈارائونگ سیکھانے سمیت مخصوص عرصہ کیلئے لازمی عسکری تربیت دے کر جہادی روح تازہ کی جائیگی، مگر جہاد جس کے لفظی معنی اگر انتہائی کوشش کرنے اور کسی علمی، ادبی، معاشرتی، معاشی بنیادوں پر جدید (جنگی) ساز و سامان تیار کرنے کے عملی کام کو اُسکے درجہ کمال تک پہنچانے کے ہیں تو محض جنگی حکمت عملی کو پروان چڑھانے کی بجائے علم و ہنر پر مبنی جدید ٹیکنالوجی کے حصول جیسے نظر انداز پہلوؤں پر محنت کر کے انکی معراج سے از خود جہاد کا مقصد اُسن طریقے سے پورا ہو جائیگا جس کی مثالیں ترقی یافتہ ممالک کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

اسلامی مملکت میں ایسا نظامِ خداوندی ہی نوعِ انسانی (بلکہ تمام ذی حیات) کی نشوونما کا سامان باہم پہنچانے اور ربوبیتِ عالمینی و رزاقیت کی ذمہ داری پوری کر سکے گا جو رحمن و رحیم نے اپنے اوپر لے رکھی ہے (11/6)۔ کیونکہ تمام انسان ایک عالمگیر برادری (کنہ) کے افراد یعنی اُمتِ واحدہ ہیں (2/213)۔ ایسے میں غیر مسلم و عیسائی کو سامانِ زیست مہیا کیوں نہ کیا جائیگا۔ خصوصاً جب دریائے فرات پر کتا بھی بھوکا نہ رہنے کی تلقین کی گئی ہو جو کسی بھی انسان سے بالاتر کیونکر ہو سکتا ہے۔ قرآنی معاشرہ تمام افراد کی خوراک، لباس، رہائش اور تعلیم و تربیت جیسی جملہ ضروریات زندگی کا انتظام کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، تاکہ کوئی فرد بھوکا، نگایا بے گھر نہ رہے اور انسانی صلاحیتوں کی نشوونما سے فرد کی ذات کی تکمیل ہو سکے۔ کیونکہ جسم کی نشوونما ہر اس چیز سے ہوتی ہے جسے وہ اپنے تصرف میں لاتا ہے، لیکن اس کی ذات کی نشوونما اس سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کی نشوونما کیلئے دیتا ہے۔ گویا اس طرح ذہنی و قلبی صلاحیتوں میں بالیدگی سے ایسی ذات کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے اور جو لوگ انسانوں کو سامانِ نشوونما باہم نہیں پہنچاتے وہ درحقیقت آخرت کے منکر ہیں (7-41/8)۔ یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب بنیادی رزق کے ذرائع اور وسائل کے اضیٰ سرچشمے ذاتی ملکیت کی بجائے کسی (ایسے) نظام کے تحت ریاستی تحویل اور نگہداشت میں ہوں گے (45/27) جو بلا امتیازات معاشرے کے تمام افراد کے رزق کی اتنی بڑی ذمہ داری اپنے اوپر لے، جس میں محنت کے قابل ہر مردوزن اپنی استعداد کے مطابق محنت کرنے کا قانوناً مکلف ہوگا (53/39) جو اپنے محتانہ سے اپنی اور دوسروں کی ضروریات پوری کریگا، ناکہ کچھ لوگ محنت کرتے ہلکان ہو جائیں اور باقی اُنکی کمائی پر عیش اڑائیں۔

لہذا مومن وہ ہے جو خوشی و رضامندی کے ساتھ اپنی ضروریات سے زائد فاضلہ دولت برضا و رغبت نظام (ربوبیت) کے حوالے کر کے نوعِ انسانی کی پرورش کیلئے دوسروں کو دیتا ہے (2/219)۔ حتیٰ کہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی پر ترجیح دیتا ہے (59/9)۔ اور دوسروں کی کمی پوری کر کے عدل و احسان اور صلہ رحمی کرتا ہے (16/90)۔ ایسے لوگ اپنے ایمانی تقاضا کے تحت معاوضہ تو ایک طرف شکریہ و ستائش تک کے بھی متمنی نہیں ہوتے ہیں (76/9)۔ اور ایسا وہ عمر بھر کرتے چلے جاتے ہیں (3/101)۔ مومنین کا یہ اقرار ہے کہ دُنیا میں نظامِ عدل و احسان کے قیام اور استحکام انسانیت کی خاطر اُنکا مال اور اُنکی جان، نظامِ خداوندی کے سپرد ہیں، جس کے عوض انہیں جنت عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے (9/111)۔ ایسے میں ہر انسان اپنی کمائی یا مال و دولت کا مالک ہونے کی بجائے صرف امینِ مستفید ہوگا جو اپنی مرضی سے خرچ یا جمع کرنے کا مجاز نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کے احکام اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہی ایسا کر سکتا ہے۔ یہی انسانی ذات کی

نشوونما اور معاشرتی توازن قائم رکھنے کا احسن طریقہ ہے (5/32)۔ ضرورت سے زائد مال و دولت کا اللہ کی راہ میں (مستحقین کیلئے) خرچ کرنا لازمی ہے۔ العفو کے فالتو مال و دولت پر حامل ہذا کا کوئی حق نہیں (مشکوٰۃ) اور جو لوگ بخوشی اللہ کے اس حکم پر عمل نہ کریں تو اسلامی حکومت حکماً لوگوں کے جمع شدہ فالتو مال کو قبضہ میں لے کر اپنی ہنگامی ضروریات پوری کرے۔ کیونکہ وہ ہی نظام اچھا اور زندہ رہتا ہے جو نوع انسانی کیلئے نفع بخش ہو (3/138، 13/17)۔ اور حق کے تعمیری کلچر کی حامل قوم ہی باطل کے تخریبی کلچر کی نمائندہ قوم پر ہمیشہ غالب رہتی ہے (21/18)۔ چنانچہ ہر حق ایک ذمہ داری کی سرانجام دہی سے مثبت ہوگا اور ایسی معاشرتی کیفیت دنیا میں جنت کا فہم البدل ہوگی جس میں نئی ملکیت بے معنی ہو جانے سے سرمایہ داری نظام جڑ سے کٹ جائیگا جو بددیانتی، چور بازاری، نفع خوری، سمگلنگ، دھوکہ فروغ اور جھوٹ کو فروغ دیتا ہے۔ لہذا صلوٰۃ و زکوٰۃ کے تحت ایسا اقتصادی نظام رائج ہوگا جس میں ارتکاز زر کی نفی اور سرمایہ کی گردش ہوگی۔ کیونکہ معاشرہ ایک جسم، جبکہ سرمایہ (دولت) کی حیثیت خون جیسی ہے اور ایک جسم کی تندرستی و صحت اور نشوونما کیلئے لازم ہے کہ خون گردش کرتا ہو۔ جسم کے نازک ترین حصوں میں بھی پہنچتا رہے۔

قرآن کا وضع کردہ نظام ربوبیت اپنی مکمل شکل میں قائم ہونے سے قبل غیر شعوری طور پر عبوری دور کے متعلق (بھی) احکامات و ضوابط دے کر معاشرہ کو بتدریج آخری منزل تک پہنچاتا ہے۔ یعنی صدقات و خیرات کی ترغیب، بخل و حرص کی مذمت، ریا کی ممانعت، ناپ تول میں کمی اور سونے چاندی کو جمع کرنے اور زراندوزی کی مخالفت، وراثت کے احکامات، سب عبوری دور سے متعلقہ ہیں۔ قرآن کے ایسے احکامات و ضوابط اپنی اپنی جگہ مستقل راہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جب نظام ربوبیت اپنی مکمل شکل میں قائم ہوتا ہے تو اس میں چونکہ ضروریات بلا امتیاز ہر ایک کی پوری ہو جاتی ہیں اور فاضل دولت کسی کے پاس رہنے کی بجائے نظام کے پاس رہنے کے سبب معاشرہ کیلئے عبوری دور سے متعلقہ احکام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جس طرح پانی مل جانے سے تیمم کے قرآنی حکم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح قرآن بتدریج اس نظام کو ان افراد کی جماعت کے ہاتھوں قائم کروا دیتا ہے جو صحیح تعلیم و تربیت سے چلانے کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ جو لوگ قرآن کے نظام ربوبیت کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں، اُن کیلئے ضروری ہے کہ وہ کم از کم حاکم وقت کو اتنا تو مجبور کر دیں کہ وہ نظام ربوبیت کے نفاذ کا سوال ہاں یا ناں کی صورت میں قوم کے سامنے رکھ کر آئین کی دفعہ 48 شق 6 کے تحت استصواب رائے کرانے میں ہر ممکن کوشش کریں۔ ہم انفرادی و اجتماعی طور پر آئین کے آرٹیکل 62(d) کے تحت اسلامی احکامات سے انحراف اور عوامی شہرت کے ساتھ 62(e) کی خلاف ورزی کے نتیجے میں 62(f) پر پورا اُترنے کے قابل نہیں رہے۔ ملکی سطح پر ہنزہ آئین کے آرٹیکل 31 کے تحت اسلامی طرز زندگی پوری طرح اپنانے میں ناکام رہنے کی وجہ سے آرٹیکل 227 کے تحت قرآن پاک اور سنت سے متعلق احکام پر مبنی اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے آئین کے یوم آغاز کے نوے دن کے اندر اسلامک آئیڈیالوجی کونسل کی تشکیل اور آرٹیکل 229 اور 230 میں اسلامی احکام کے منافی صورتحال پر مشاورت کے ساتھ موزوں شکل میں اس کی تدوین نہ کر کے سودی نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کھلی جگہ ہے جو بادی النظر میں ریاستی آئین کے آرٹیکل 4(6) کی خلاف ورزی کی صورت میں سنگین غداری ہے ہیں۔ کیونکہ دفعہ ہذا کی رو کے منافی ہے کوئی کسی بھی طریقہ سے اسے تنسیخ، تبدیل (زیرو زبر)، معطل، التواء میں نہ رکھنے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ جبکہ آرٹیکل 203-A کی روشنی میں شریعت کورٹ کے متعلقہ باب کے احکام، دستور میں شامل کسی دیگر امر کے باوجود آئین کے دوسرے احکام پر غالب رہیں گے اور ایسی اتھارٹی 203-D کے تحت اس نسبت قانونی سازی کرانے میں مؤثر کردار ادا کر سکتی تھی۔ جبکہ قانون سازی ہونے تک صدر مملکت آرٹیکل 267 کے تحت آرڈی نینس نافذ کر کے اس نسبت مشکلات کا ازالہ کر سکتے ہیں اور شیڈول-III کے تحت اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کیلئے کوشاں رہنے میں نہ صرف صدر کے حلف میں یہ شامل ہے، بلکہ وزیر اعظم و وزیر اعلیٰ، وفاقی و صوبائی وزراء، سپیکر/ڈپٹی سپیکر و چیئرمین/ڈپٹی چیئرمین سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کے اراکین، گورنرز، عدلیہ و مسلح افواج اور ادارہ جاتی مشینری شامل ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور 1973ء کی تہدید میں بھی اسلامی حدود کو مقدس امانت نہ کر کے اس میں خیانت نہ کرنے کا اقرار ہے اور ہائیڈرو پاور پاکستان کے حلف سے وفاداری کے تحت پاکستانی عوام کی خواہشات کے مطابق حقیقی جمہوری ریاست کے اندر عوام کی زندگیوں میں قرآن و سنت پر مبنی اسلامی تعلیمات کے احیاء کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اگر اسلامی نظام کا نفاذ مسلمانوں کا بنیادی حق ہے تو اس نسبت آرٹیکل 184(3) کے تحت سپریم کورٹ (عدالت عظمیٰ) عوامی اہمیت کا کوئی سوال درپیش آنے پر استقراری نوعیت کا حکم صادر کر سکتی ہے۔ جبکہ صدر پاکستان آرٹیکل 186 کے تحت عوامی اہمیت کے حامل ایسے کسی قانونی مسئلہ کے بارے میں عدالت عظمیٰ کو اس نسبت مثبت پیشرفت کیلئے رائے طلب کر سکتے ہیں۔ کیونکہ آرٹیکل 199 کے تحت مناسب چارہ جوئی کا انتظام نہ ہونے پر عدلیہ سے مدد و معاونت حاصل کی جاسکتی ہے اور کامیابی پر آئین پاکستان اس نظام کا مظہر ہو اور مملکت پاکستان، نظام ربوبیت کی تکمیل کیلئے تمام افراد معاشرہ کو حکم خداوندی کے تحت اس کی ضمانت دے کہ ”ہم تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کے ہی نہیں (6/151) بلکہ (اولاً کم از کم ریاست میں موجود) پوری نوع انسانی کے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں (11/6)۔ نظام ربوبیت کی یہ ذمہ داری اسلامی مملکت کے ذریعہ پوری ہوتی ہے جس کے تحت حکمران اتنا باخبر ہوتا ہے کہ جلد کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا نہیں رہ سکتا اور جو حکمران اپنی مملکت کے ہر فرد کے حالات سے باخبر رہنے کا انتظام نہیں کر سکتا اُسے حکمرانی کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں بھوک مٹانے کی حد تک غلہ چرانے کی سزا موقوف کر دی تھی۔ گویا کسی بھی انسانیت سوز ظلم و زیادتی کے خلاف مدافعت (اور اصلاح) اسلامی مملکت کے فرائض میں شامل ہے (4/75)۔

5- اسلام اور بینکاری نظام

جان لینا چاہیے کہ تقویٰ کی صورت میں حلال شے کو ترک، جبکہ مجبوری کی حالت میں مشکوک معاملات کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔ تاہم یہ دعویٰ کوئی بھی شخص نہیں کر سکتا کہ اس نے تمام معاملات زندگی کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں ادا کرنے کا حق صد فیصد ادا کر دیا ہے۔ لہذا ہمیں ہر حال میں اللہ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ اسی میں ہماری فلاح اور نجات ہے۔ مرد و زمانہ کے چلن کے مطابق بینکاری نظام شراکتی کاروبار کی ایک انتہائی منظم، مستحسن اور مؤثر صورت خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ آج حکومت کے محاصل میں انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، گاڑیوں کی رجسٹریشن فیس، زرعی لگان، مالیہ، کورٹ فیس، ڈاک ٹیکس، سرکاری جرمانے، جائیدادوں کے انتقال و رجسٹری کی فیس، کسٹم ڈیوٹی، زکوٰۃ، تجارتی منافع، امداد، بجلی و گیس پر مشتمل قسم قسم کے ٹیکس وصولی کے ذریعے ملازمین کی ادا کردہ تنخواہیں، پنشن، تعمیر و ترقی کے اخراجات، اندرونی و بیرونی تجارت، حج و عمرہ کے مراحل، سب مروجہ بینکوں کے ذریعے ہی طے پاتے ہیں۔ گویا یہ کہنا غلط ہوگا کہ بینک محض سودی کاروبار کے

مراکز ہیں۔ کیونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں ریاست کی مالی ذمہ داریاں محدود اور اخراجات کم تھے جنہیں پورا کرنے کیلئے عشر، زکوٰۃ، جزیہ اور مال غنیمت پر انحصار کیا جاتا تھا۔ جبکہ آج جزیہ اور مال غنیمت نام کی کوئی مالیاتی شکل باقی نہیں رہی، جن کی جگہ مالیہ اور زرعی لگان جیسے ٹیکسز نے لے لی ہے۔ پہلے ملازمتیں و کاروبار محدود اور سادہ نوعیت کے ہوتے تھے، اب جبکہ بیشمار اور پیچیدہ ہو چکے ہیں، جن کی نسبت تنخواہ اور ٹیکسز وجود میں آچکے ہیں۔ **دین اسلام، فطرت انسانی سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔** مسجد نبوی کی چھت اگر کھجور کی چھال کی بجائے سنگ مرمر، اذان کیلئے لاؤڈ سپیکر، روشنی کیلئے بٹنی کے دیئے کی جگہ بجلی کے قمقمے منور ہو سکتے ہیں۔ بیکار خیال کیے جانے والے انسانی و حیوانی فضلے سے زرعی زمینوں کو زرخیز بنایا جاسکتا ہے، سوڑ اور ریچھ جیسے حرام جانوروں اور نشہ آور اشیاء کے اجزاء سے زندگی بچانے والی ادویات بنائی جاسکتی ہیں، کلوننگ کے ذریعہ بغیر زائدہ ملاپ کے افزائش نسل ہو سکتی ہے، اونٹوں اور گدھوں کی بجائے تیز ترین جہازوں پر سفر کیا جاسکتا ہے۔ چھوٹی سی کمپیوٹر چپ میں لاکھوں قرآن سموائے جاسکتے ہیں اور انٹرنیٹ پر جہاں غلیظ مواد دیکھا جاسکتا ہے، وہاں قرآنی تعلیم بھی عام ہو سکتی ہے۔ آن لائن اپریشن کیے جاسکتے ہیں، دیار غیر سے بینکوں کے ذریعے ملک میں رقوم کی فوری ترسیل سے ملکی معیشت کو سہارا دے کر مضبوط کیا جاسکتا ہے، تو حصص کی بنیاد پر سود اور منافع میں تفریق کر کے لوگوں کے گھروں میں بیکار پڑے لاکھوں کروڑوں روپے ارتکاز زرعی شکل اختیار کرنے سے بچ سکیں گے، جن سے وہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی کسی بینک کے ذریعے ملکی معیشت کیلئے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام ارتکاز زرعی نفی اور باہمی تعاون کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

بینک سے مقصود ایک (جائے) خزانہ ہے جس میں بہت سے لوگوں کی رقوم بطور امانتیں جمع ہو سکتی ہیں، جو اصل حالت میں محفوظ رکھے جانے سے مشروط امانت خالصہ کے طور پر انکی حفاظت اور انتظام کا خرچ امانت رکھوانے والوں سے وصول کرنا متصور ہے۔ جبکہ معینہ مدت کیلئے حوالے کی گئیں امانتوں کو بینک مختلف تجارتی صیغوں میں خود لگانے یا انہیں دوسری تجارت گاہوں میں بطور مضاربت دے کر منافع کو مالکان رقوم اور کام کرنے والوں میں ایک، دو، تین یا چار فیصدی جیسے عدد معین کی بجائے ایک تہائی، چوتھائی، پانچویں یا چھٹے غیر تعین شدہ حصہ مشاع کی تقسیم کرنے کا فرض ادا کرے، جبکہ اطلاق کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ ہر مقدار پر کیا جائے۔ قرض یا رہن کی صورت میں ان رقوم کے کسی بھی حصے کے تصرف کا اختیار دینے کے ساتھ بینک میں رکھی جانے والی بااجازت امانتوں میں مطالبہ کے وقت بلا زیادتی و کی انکابل لیا اور دیا جاتا ہے۔ **بینکوں کی حیثیت قرض خواہ کی بجائے حصہ دار کی ہوگی۔** یہی صحیح اسلامی سپرٹ ہے کہ مضاربت کی بنیاد پر بینک سمیت کاروبار میں روپیہ لگانے والے نفع و نقصان دونوں میں برابر کے شریک ہوں۔ اس طرح سرمایہ اور محنت باہم مل کر جو نفع حاصل کریں گے اسکی تقسیم حصہ شمول قرار داد کی جائیگی جس کے متعلق قواعد و قوانین کتب فقہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ بینک اپنے سرمایہ کی شرح کے تناسب سے خود کے نگران نمائندہ تعینات کر لیا جائے گا جو اپنے مالیاتی تجربے کی بنیاد پر دوسروں کی راہنمائی کے ساتھ ساتھ کاروبار کی نگرانی بھی اچھے طریقہ سے کریں گے۔ یعنی اہل سرمایہ افراد اپنے وسائل بروئے کار لائیں گے اور کام کرنے والے اپنی محنت شامل کریں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کاروبار میں کسی وقت نقصان بھی ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں مقروض شخص نقصان ہونے کی وجوہات پر مبنی حلف نامہ دیگا جو پڑتال کے بعد درست ثابت ہونے پر بینک اپنے ایسے کھاتہ دار کو خصوصی رعایت دینے کا پابند ہوگا، جس طرح تکافل میں پول فنڈ سے نقصان ہونے کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ **بینکاری نظام کو سود سے پاک کرنے کیلئے بینک کو تکافل کی مانند جوائنٹ سٹاک کمپنی کا درجہ دے کر نفع اور کاروبار کیا جاسکتا ہے،** جس کی عملی صورت یوں ہوگی کہ دس دس ڈالر یا ہزار ہزار روپے کے ایک لاکھ حصے فروخت کر کے حصوں کی بنیاد پر کھاتہ داروں میں منافع تقسیم کیا جائے۔ یعنی تمام کھاتہ داروں کو بینک کے شرائط و اقرار کردہ کے تکافل کی مانند باہم منافع تقسیم کیا جانا شرعی لحاظ سے جائز اور درست ہوگا اور ایسا کرنے سے بینکاری نظام میں سود کا شائبہ بھی دور ہو جائیگا۔ اس کیلئے بینک کے مالی سال کے شروع میں سالانہ منافع کی شرح کا اعلان کرنے کی بجائے سال بھر کے نفع و نقصان کے تمام اعداد و شمار کی روشنی میں سال کے اختتام پر منافع کی شرح کا تعین کیا جائیگا۔ ہاں البتہ گھریلو اخراجات کیلئے ایک مخصوص منافع ماہانہ بنیادوں پر دیا جاسکتا ہے جو سالانہ منافع یا نقصان میں ایڈجسٹ ہوگا۔ ایسے ہی بیرونی امداد کو کاروبار میں استعمال کرنے کے عوض کاروباری منافع کی شکل میں احسان کا بدلہ چکا یا جائیگا۔ جب اسلام پسینہ خشک ہونے سے قبل محنت کا معاوضہ ادا کرنے کا حکم دیتا ہے، بھیک مانگنے سے بھی منع کرتا ہے، مفت خوری کی حوصلہ شکنی کرتا ہے، رعایت لینے کو بھی پسند نہیں کرتا، تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے کسی مسلمان بھائی یا کسی ادارے کا سرمایہ اپنے ذاتی تصرف میں لائیں، منافع کمائیں اور اسکا صلہ حق کو ادا نہ کریں۔ جبکہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ کوئی ہماری مدد کرے اور ہم اس احسان کا بدلہ نہ چکائیں تو ایسا کرنا مفت خوری، بھیک مانگنے یا رعایت لینے کے مترادف ہوگا؟ لہذا جو شخص کسی دوسرے شخص یا کسی کمرشل ادارے یا بینک سے کاروبار کیلئے کچھ رقم وصول کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قدر مفید ادارے کو قائم رکھنے کیلئے اسے منافع نہ سہی مگر ضرورت کی بنیاد پر اسکا کچھ معاوضہ، محتانہ، صلہ و حق الخدمت ادا ضرور کرے۔ بصورت دیگر یہ طے کرنا ہوگا کہ حکومت وقت، بینک میں رقم جمع کروانے اور وصول کرنے یا قرض لینے والے بذریعہ ٹیکس، کمیشن، بونس یا منافع و معاوضہ کے طور پر کچھ رقم بینک کو ادا کریں گے۔ یہاں تک کہ خلافت راشدہ کے دور میں مصلحین زکوٰۃ کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ ویسے **حکمرانوں کو بھی ایک مزدور کی کمائی کے برابر بیت المال سے گزارہ الاؤنس دیا جانا چاہیے جن کا سارا وقت قوم کی ملکیت و امانت ہوتا ہے جو وہ اپنی ضروریات کیلئے صرف نہیں کر سکتا اور ایسا کرنے سے یقیناً مزدور کی اُجرت میں بھی اضافہ ہو سکے گا۔**

کیونکہ وصول کردہ ایسی رقم کی شرح سے اُسے مزدور کی مشکلات و مصائب کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ ایسی اسلامی روایات کے مطابق بینک میں کام کرنے والے ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے جو لوگوں کے سرمایہ کے امین بن کر اسکی حفاظت کرنے سمیت (اُن کیلئے) کاروبار کرتے ہیں۔ یہ عام اصول کم و بیش ہر جگہ پر دکھائی دیتا ہے۔ ایک بس اسٹینڈ مالک ہر آنے جانے والی بس سے فی پھیر وصولی کر کے اپنے اخراجات پورے کرتا ہے۔ ایسا کرنا جائز اور عین اسلام ہے۔ دُنیا کے اکثر و بیشتر مہذب ممالک چیکوں پر اسٹپ ڈیوٹی عائد کرتے ہیں۔ چونکہ لوگ انکم ٹیکس کے دائرے میں آنے سے بچنے کیلئے پُر فریب طور پر چیکوں کی بجائے دیگر طریقوں سے ادائیگیاں کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس خرابی کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جملہ ادائیگیاں قانوناً چیکوں کے ذریعے ہوں اور ہر چیک Bearer کی بجائے Ordered ہو، تاکہ رقم ادا کرنے والے کے ساتھ ساتھ وصولی کرنے والے کا بھی پیچہ چل سکے۔ نیز ڈاکٹروں اور بینکوں میں رسیدی ٹکٹیں اور ڈرافٹ یا

سفری چیکوں پر اس قدر چارجز لگا دیئے جائیں کہ انتظامی اخراجات نہ صرف پورے ہوں، بلکہ متوسط طبقہ کو باسانی بلا سود قرضے ملنے سے کاروباری سرگرمیوں کو فروغ ملے اور پیر وزگاری ختم ہو۔

’بیدار پاکستان‘ کے وضع کردہ ”امداد باہمی کوپن سکیم“ کی مانند مضاربہت کو قومی سطح پر بینکوں کے ذریعہ بھی رائج کیا جاسکتا ہے جس میں ہزاروں، لاکھوں افراد شامل ہو سکتے ہیں۔ یعنی مشارکت و مضاربہت کی بنیاد پر قائم بینکاری نظام کو اسلامی خطوط پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ جس کا رو بار میں ایک فریق تمام سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق محنت کر کے منافع میں شریک ہوتا ہے، اس قسم کے کاروبار کو اہل جواز قراض‘ اور عراق والے ’مضاربہت‘ (sleeping partnership) کہتے ہیں، جبکہ مزارعت زمین کی بٹائی یا کرایہ داری ٹھیکہ کو کہتے ہیں۔ آپ نے مضاربہت کے اسی اصول کو اپناتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کا تجارتی مال ملک شام لے جا کر فروخت کیا اور بہت سا منافع کمایا۔

بینک کے علاوہ ایسی مثالوں میں مکان کا پیشگی ماہوار کرایہ و سکیورٹی طے کرنا، سال کے شروع میں آندھیوں، طوفانوں اور بارشوں جیسی قدرتی آفات کے سبب زبردست نقصان کے احتمال کو مد نظر رکھے بغیر زرعی زمینوں اور باغات کا سالانہ جزو یا کئی ٹھیکہ طے کرنا، حفظ مانعہ کے طور پر عورت کا پیشگی حق مہر مقرر کرنے کے علاوہ تمام قسم کے محصولات اور ٹیکس وغیرہ پیشگی طے کرنا، نیز ایئر لائنز کمپنیز کا تمام امکانی اخراجات کا تخمینہ لگا کر ہوائی جہازوں کا پہلے ہی شرح کرایہ طے کر کے مسافروں سے سفر شروع کرنے سے قبل کرایہ وصول کرنا، تمام سرکاری ملازمین کو پیشگی طے شدہ شرح تنخواہ دینا اور نئے ملازمین کو تنخواہ کے پہلے سے جاری شدہ نظام میں شامل تصور کرنا، بینکاری نظام کی تائید ہے۔ بینک اگر حکومتی ادارہ ہے جہاں سے مستحق لوگوں کو قرض حسنہ اور ناقابل واپسی امدادی رقوم ادا کرنے سمیت اسکی تمام آمدنی سرکاری خزانے میں جانے سے سکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں جیسے فلاحی اداروں و دیگر ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کی صورتوں میں آخر کار لوگوں ہی کے کام آتی ہے تو ایسی آمدنی کیونکر ناجائز ہوگی؟ فرض کریں پاکستان میں ایک کروڑ سرکاری ملازمین ہیں جنکا اوسط ماہوار پورے ماہوار شرح سے جی پی فنڈ کاٹا جاتا ہے جو تین ارب روپے ماہانہ، جبکہ 36 ارب روپے سالانہ اکٹھا ہوتا ہے اور ریٹائرمنٹ کی عمر تک کم و بیش تیس سال چلتے رہنے سے گیارہ کھرب روپے کی خطرہ رقم کی حد تک پہنچ جاتا ہے، جسے حکومت بینک میں سنبھال کر رکھنے کی بجائے تعمیر و ترقی اور تجارت میں لاکر اربوں روپے کماتی ہے، جس سے ملازمین کے جی پی فنڈ میں سالانہ منافع جمع ہوتا رہتا ہے اور ریٹائرمنٹ تک بڑھتے بڑھتے دو، چار یا پانچ نہیں، بلکہ 10 گنا سے بھی زائد ہو جاتا ہے۔

ایک خاص فلاحی سوچ کے تحت مفید کلیہ کی عمل پذیری پر باہمی استفادہ کیا ہوتا ہے؟ اور ایسے انتہائی معاملات جنکے بارے میں قرآن و سنت کا بظاہر حکم کچھ اور ہے، لیکن ہم مسلمان مخصوص حالات کے تحت انہیں کسی دیگر طریقوں سے سرانجام دے رہے ہیں اور ایسا کرنا احادیث نبوی، اجماع، قیاس یا اجتہاد کی ہمہ جہد رہنمائی میں جائز سمجھا جاسکتا ہے؟ آپ کا واضح اشارہ ہے کہ ایک غیر محرم مرد کسی محرم عورت کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی چھو سکتا ہے، مگر حج کے موقع پر مردوزن ننگے منہ اور گھل کر طواف، سعی اور رمی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ میدان عرفات میں عورتیں برہنہ مردوں کے ساتھ مل کر وقوف کا اہم رکن ادا کرتی ہیں۔ اسی طرح دوران نماز مردوں کی صف میں عورتوں کو شامل ہونے کی اجازت نہیں وگرنہ نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن خانہ کعبہ کے سامنے مردوزن باہم گھل کر نماز ادا کرتے ہیں۔ بلکہ خانہ کعبہ میں لوگ بھیڑ کی وجہ سے ایک دوسرے کی پشت پر سجدہ کرتے ہیں، جو مجبوری کی حالت میں جائز خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی شریعت اسلامی کا حکم ہے کہ حاجی خود اپنے ہاتھ سے قربانی کریں، مگر اب سعودی عرب کے سرکاری خزانے میں قربانی کے جانوروں کی رقم جمع کر کر فارغ ہو جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اکثر حجاج کرام منیٰ میں قربانی نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں حج کے موقع پر حاجیوں کو خود اپنے ہاتھ سے شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا مکلف بنایا گیا ہے، مگر اکثر حجاج کرام کسی مجبوری کی وجہ سے خود کنکریاں مارنے کی بجائے دوسروں سے مروا دیتے ہیں۔ نیز اسلام میں تصویر بنوانا جائز نہیں، لیکن حج کے موقع پر تمام مردوزن عازمین حج کو تصاویر بنوانا پڑتی ہیں، بصورت دیگر انہیں حج کا خصوصی ویزا جاری نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح ناپاک پانی سے سبزیوں اور غذائی اجناس کی کاشت کی جاتی ہے۔ مروجہ جمہوریت میں ہر اچھے بُرے کا ووٹ برابر مانا جاتا ہے۔ عام حالات میں نماز باجماعت کو نامکمل صورت میں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ لیکن مجاز جنگ کے موقع پر خود آپؐ نے فرمایا کہ مجاہدین کا ایک گروہ نماز میں شامل ہو جائے اور ایک رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر واپس محاذ پر چلا جائے اور پھر دوسرا گروہ نماز میں شامل ہو جائے۔ اسی طرح اسلام میں نماز کا صحیح وقت پر اوائل صورت میں پڑھنے کا حکم ہے، مگر عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر، جبکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء عملاً کر اور قصر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ پیغمبر اسلام نے مدینہ سے مکہ تک پیدل کے علاوہ اونٹ پر سوار ہو کر بھی سفر طے فرمایا اور حج کیا۔ مگر اب مسلمان ہوائی جہازوں پر سوار ہو کر مکہ پہنچتے اور حج ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان کو بہ نفس نفیس مکہ پہنچ کر حج ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر کمزور اور بوڑھے لوگوں کیلئے حج بدل بھی کیا جاسکتا ہے۔ نیز بحری سفر کے دوران کسی حاجی کے فوت ہو جانے پر اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے سمندر میں اتار دیا جاتا ہے، جبکہ شریعت کا حکم اُسے قبر میں اتارنے کا ہے۔ اسی طرح زمین سے چند ہزار میل کی دوری پر دن ہے نہ رات، جبکہ قطبین پر چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، مگر پنجگانہ نمازیں وہاں بھی مکملہ المکرمہ کے اوقات سے منطبق کر کے ادا کی جاتی ہیں۔ ایسا کرنا وہاں رہنے والے لوگوں کی مجبوری ہے۔ اس لئے ہر قسم کی مجبوری کا حل اسلامی اجتہاد میں مضمر ہے۔

6- بلا سود معیشت کے نفاذ کی عملی کوشش

سورہ بقرہ 261 کے تحت رجسٹریشن کرنے اور 280 کی روٹی میں ”جس قدر قرض دیں اُسی قدر واپس لیں، تنگدستی ہو تو مہلت دیں، ہو سکے تو معاف کر دیں“ پر عمل پیرا ہو کر پی ایل ڈی 416-682، سپریم کورٹ 2000ء کے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی تائید کی جائیگی جس میں کم و بیش دو لاکھ سے زائد تقاسیر و کتب میں اُبھارے گئے اس تاثر پر بحث کی گئی ہے جس میں قرآن مجید کو ناقابل عمل قرار دے کر نبی اکرمؐ اور قرآن یعنی رب العالمین کا سود کے متعلق کوئی معتبر راہنمائی نہ دینے کا موقف تسلیم کیا گیا ہے کہ آیات ربّ (ربو) حضورؐ کی زندگی کے آخری دنوں میں نازل ہونے کے سبب آپؐ کی بروقت عملی تشریح و تطبیق نہ کر سکے اور وفات پا گئے۔ حالانکہ محمدؐ، صحابہؓ میں 80 یوم تک موجود رہے اور 81 دن وصال فرمایا، جو یقیناً تو بین رسالت و اسلام کے تاثر کو ہمیز دینے کے مترادف ہے۔

قرآن وحدیث میں چار مختلف مقامات پر بایا کی حرمت آئی ہے۔ پہلی حرمت مکی سورہ روم کی آیت 39 میں آئی۔ جبکہ دوسری سورہ نساء کی آیت 161، تیسری سورہ آل عمران کی آیت 130 اور چوتھی سورہ بقرہ کی آیات 275 تا 281 کی شکل میں آئی ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ہیں۔ سورہ بقرہ 279 میں یہاں تک شدت ہے کہ ”جو لوگ سود لیتے ہیں انکے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے“۔ اتنے سخت الفاظ قرآن نے کسی اور جرم کیلئے استعمال نہیں کیے ہیں۔ سورہ آل عمران 130 میں فرمایا ”سود نہ کھاؤ فلاح پاؤ گے“ جس کی تائید سورہ روم 39 میں بھی کر دی گئی کہ ”سود کی بجائے اللہ کی خوشنودی کیلئے دی جانے والی زکوٰۃ لوگوں کے مال میں اضافہ کرتی ہے“۔ سورہ بقرہ کی آیت 275 میں فرمایا کہ ”پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا، آئندہ پچھلایا موجودہ، کوئی سود نہ لیں گے، اسکا اجر اللہ دیگا، وگرنہ آگ میں ڈالے جائیں گے، جہاں (وہ) ہمیشہ رہیں گے“۔ حضرت عباس، حسن بصری اور ابن سیرین کے مطابق جو شخص دارالسلام میں سود کھائے اُسے توبہ پر مجبور اور باز نہ رہنے کی صورت میں قید یا قتل کر دیا جائے۔ جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”سود کے ہنتر گناہوں میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے اور سب سے بڑا (سود کو جاری رکھ کر) مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے (مستدرک حاکم)۔ آئین پاکستان کی دفعہ 2 و 227 اور امتناع ربا آرڈیننس 1984 کی رو سے جہاں سودی نظام کے خاتمہ کی یقین دہانی کرائی گئی ہے، وہاں سود کے نفاذ کو سپورٹ کرنے والے 23 قوانین بلا سود معیشت کے راستے میں بُری طرح حائل ہیں۔ البتہ پنجاب اسمبلی سے 30 جون 2007ء اور خیبر پختونخواہ (سرحد) اسمبلی سے 10 اگست 2007ء کو ”نجی سودی قرضوں کے امتناع کا قانون“ پاس کر لیا گیا جس کے تحت نجی سودی قرضے دینے والا تو ناقابل ضمانت دفعات کے ساتھ دس سال تک قید یا پانچ لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں کیلئے مستوجب سزا ہے، لیکن اس مفہوم میں سودی کاروبار کا سبب بننے والے وہ ادارے شامل نہیں ہیں جو منظم و اجتماعی طور پر وہی قابل گرفت فعل سرانجام دے رہے ہیں۔ گویا چوری تو ناجائز ٹھہرے، لیکن ڈاکہ جائز قرار پائے۔ سود کی حرمت پر نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے تمام مذاہب، تورات و انجیل جیسی الہامی کتب و صحیف انبیاء اور بیشتر قدیم حکماء یکساں طور پر متفق ہیں۔ اہل یونان اور اُنکے دانشور ارسطو و افلاطون نے بھی سود پر قرض دینے کی قطعاً ممانعت و مذمت کر رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ چیریٹی کے ایک جیسے باہمی مددگار صیہونی نظام کی حامل سکیئنڈے نیوٹن جیسی فلاحی ریاستوں میں غریب نہ ہونے کے برابر ہیں اور ان کے وضع کردہ سرمایہ دارانہ بینکاری نظام میں یہودی اپنے ہم مذہب بھائی سے کسی قسم کا سود نہیں لیتا۔ مگر صد حیف کہ اسی نظام کے تحت مسلمان اپنے کلمہ گو بھائی سے بلا جھجک سودی لین دین کر رہا ہے۔ ”بیدار پاکستان“ اور ”سکراف“ جیسی سوچ کی حکومت پاکستان کیلئے یہ پیشکش ہے کہ جتنا اُسکا ایک سال کا مالیاتی ہدف ہے، وہ روزانہ کی بنیاد پر مذکورہ طریقہ کار کے تحت حاصل کرے جس کے متبادل کچھ نہیں دینا پڑیگا۔ یہاں تک کہ وطن عزیز کے معاشی مسائل کا رضاء کارانہ طور پر MBCS کی صورت میں پیش کردہ جامع و انقلابی معاشی پروگرام دینے والے محبت وطن و مسلمان بیدار پاکستان کے پلیٹ فارم سے معاشی خوشحالی سالوں یا مہینوں نہیں بلکہ تیس دنوں میں لانے کا دعویٰ اور کھلا چیلنج کیا ہے، جسے غلط ثابت کرنے پر دس ملین ڈالر کا انعام دینے کا سنجیدہ اعلان یقیناً مذاق نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود سخت ترین شرائط پر آئی ایم ایف اور دیگر یہودی لابی کے مالیاتی اداروں سے سود پر سود دھڑا دھڑا قرضے لے کر وطن عزیز کے پیدا ہونے والے بچوں سمیت مرنے والے مردوزن کو بھی قرض کے بوجھ تلے دبانا کہاں کی دانشمندی ہے۔

7- امداد باہمی کوپن/کارڈ سسٹم (MBCS)

بیشک بلا سود معیشت ہر مسلمان کیلئے ایک سہانا خواب ہے جس کی تعبیر کیلئے آفاقی نظریہ ترغیب کے بانی ڈاکٹر نیاز احمد نے ”امداد باہمی کوپن اسکیم“ کا ایک اچھوتا معاشی فارمولہ تخلیق کر کے ”بیدار پاکستان“ (www.bedarpakistan.com) کی بنیاد رکھ کر ایٹمی طاقت کے حامل پاکستان کو اقتصادی سپر پاور بنانے کی ٹھانی ہے۔ ایک نیا معاشی نظام موجودہ و مروجہ نظام اقتصاد سے متضاد ہوئے بغیر محلو و دستاویزی معیشت کی صورت میں ملک کی کا پالیٹ سکتا ہے جو بنیادی طور پر پاکستان کیلئے بنا ہے اور پوری دنیا میں آسانی سے نافذ ہو سکتا ہے۔ کوپن سسٹم، بلکی نہیں آفاقی معاشی نظام اور بینکاری کا نیا آئین ہے جس سے سودی نظام ختم اور نفع و نقصان کی بنیاد پر لین دین رواج پایگا۔ عوام جب کوپن کی خریداری کیلئے بینکوں سے اپنی جمع شدہ رقوم نکوائیں گے تو دراصل یہ تمام پیسہ انہی بینکوں میں موجود حکومتی اکاؤنٹس میں چلا جائیگا۔ یعنی رقم ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائیگی۔ بینک حسب سابق اپنے کاروبار سے منسلک رہیں گے۔ فرق صرف اتنا پڑیگا کہ بینک عوام کے کوپن اکاؤنٹس کھول کر نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار کریں گے جو عین اسلامی ہوگا۔ اس طرح کوپن سسٹم سے حاصل ہونے والا منافع، بینکوں میں جمع رہنے والی رقوم پر سودی شرح منافع سے کہیں زیادہ ہوگا، جس سے مروجہ طریقہ کار کے تحت سرمایہ بینکوں میں رہنا محال ہوگا۔ نتیجتاً تمام رقوم بینکوں سے باہر آ جانے کے بعد کوپن یا حصص کے کھاتے کھل جائیں گے اور جو رقوم حکومت کے پاس جمع ہوگی وہ بینکوں کے ذریعہ باہمی اشتراک کی بنیاد پر مبنی سرمایہ کاری کیلئے استعمال ہو سکیں گی جس سے سود کا نظام کا عدم ہو جائیگا۔ یعنی ایک مناسب مدت میں تمام سرمایہ کاریاں قرض سے شراکت داری میں منتقل کر دی جائیں گی۔ بینکوں کا کاروبار کوپن یا حصص کی خرید و فروخت میں ہوگا اور سود کی بجائے رقوم نفع کی بنیاد پر پیداواری اغراض کیلئے بطور قرض دی جائیں گی۔ یہ اسلامی بینکنگ کی ایک روشن مثال ہے جو بینکوں کے مفادات سے ہرگز متضاد نہیں ہوگی۔ اسلام نے بیت المال کے نام سے بینکاری کا قومی و مرکزی ادارہ قائم کیا ہے جس میں کم و بیش تمام کام انجام دیئے گئے اور چھپائی و اجرائی زر کا کام حکومت کے سپرد کیا جو صحیح ترین اصول ہے۔ اسلام بینکوں کے قیام کو نجی شعبے کی بجائے سرکاری سرپرستی میں لانے کا طریقہ کار وضع کرتا ہے جس میں سود منع ہے۔ گویا بینک صنعت و حرفت اور تجارت کیلئے محض قرض دہندہ نہ رہیں گے، بلکہ نفع و نقصان میں اُنکے نگران، حصہ دار اور شریک بن جائیں گے۔ ”یہی امداد باہمی کوپن اسکیم کے تحت تجویز کیا گیا ایک اہم پہلو ہے۔“

نظام ربو بیت کے مکمل نفاذ سے قبل، نظریہ ترغیب پر مبنی امداد باہمی کوپن اسکیم (MBCS) کے ”عبوری بندوبست“ کے تحت غیر سودی اقتصاد کے مالیاتی کلیہ میں کرنسی کی مانند کوپن صرف حکومت پاکستان جاری کر لگی جو ڈیٹ کارڈ کی شکل میں ہونگے جس کی ضمانت دولت پاکستان بینک دیگا۔ کوپن صرف پاکستان میں موجودہ کرنسی کے متبادل کے طور پر استعمال ہونگے۔ یہ ”کائی کوپن“ حکومت اپنے

نکسال گھر سے چھاپے گی جس کی قیمت زمان و مکاں پر منحصر ہوگی اور کتاب میں موجود جدول ہائے کے اندر کوپن ڈسکاؤنٹ ٹیبلز کی قیمتیں درج ہوگی جنکا انحصار خریداری کے وقت اور شرح پر ہوگا۔ کوپن کی خرید و فروخت کیلئے ایک نیم سرکاری آزادانہ ادارہ پاکستان مانیٹری فنڈز (PMF) کے نام سے حکومت کی زیر سرپرستی منتخب کیا جائیگا جو کوپن کو حکومت سے وصول کر کے صارفین تک پہنچانے کیلئے بذریعہ بینڈرز بولی کروائیگا جس میں ملک کے نامور اور اچھی ساکھ کے حامل بینک، تجارتی فرمیں، سرمایہ کار کمپنیاں اور مالیاتی ادارے انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں (کنسورشیم بنا کر) بولی دیں گے، جنہیں کم از کم شرح منافع کے ساتھ کوپن عوام تک پہنچانے کی بنیاد پر تقویض وظائف کی ادائیگی کیلئے منتخب کر کے نظم و ضبط سوئپ دیا جائیگا۔ جبکہ دوسرے، تیسرے اور چوتھے نمبر پر آنے والے ادارے حکومت کی زیر نگرانی محتسب (آڈیٹرز) کے فرائض انجام دیتے ہوئے PMF کا آڈٹ کرتے رہیں گے، جس کی ایک فیس مقرر ہوگی اور بے قاعدگی کی صورت میں یہ حکومت کو رپورٹ کریں گے۔ تحقیقات کے بعد الزام ثابت ہونے پر ضمن شدہ رقم کا دس گنا جرمانہ کر کے PMF کے مجرم اہلکار کو عمر تناک سزا دی جائیگی۔ جرمانے کا پچاس فیصد حصہ حکومت اور پچاس فیصد حصہ غن پکڑنے والے آڈیٹرز کو دیا جائیگا۔ ایسے میں جعلی کنسورشیم کے ذریعہ گیس، کھاد یا ”ہمیر کراپ“ کی درآمد کے نام پر عوام کے اربوں روپے نہیں لوٹے جاسکیں گے۔

پاکستان مانیٹری فنڈز، پچاس لاکھ بے روزگار افراد کو عوام تک کوپن پہنچانے کیلئے پانچ ہزار روپے رجسٹریشن فیس وصول کر کے اکثریت میٹرک پاس یا پارٹ ٹائم کام کرنے والے کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم ایجنٹس بھرتی کریگا جن کی تعداد بوقت ضرورت بڑھائی جاسکتی ہے اور انہیں تنخواہ کی بجائے کمیشن پر رکھا جائیگا۔ پورے سال کے دوران سستے کوپن فراہم کرنے کیلئے حکومت تین قسم کی رجسٹریشن فیسوں کا تعین کریگی۔ یعنی سال کے شروع میں ایک لاکھ روپے ادا کر کے پورا سال ایک روپے کے چھ کوپن خریدے جاسکیں گے۔ عمومی طور پر ہر ایجنٹ کا کوٹہ تین لاکھ روپے کے کوپن کا ہوگا، جنہیں وہ ہر ماہ طے شدہ کوٹہ کے مطابق دس فیصد کمیشن پر فروخت کر کے تیس ہزار روپے ماہانہ بآسانی کما سکے گا۔ گویا ایک سو روپے کے کوپن نوے روپے میں دیں گے اور وہ افراد جو فیس ادا کرنے سے قاصر ہوں گے وہ نصف کوٹہ پر رجسٹر ڈیکے جائیں گے، لیکن وہ صرف ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کے کوپن فروخت کر کے پندرہ ہزار روپے ماہانہ کما سکیں گے، تاوقتیکہ وہ رجسٹریشن کی پوری فیس ادا کر دیں۔ یوں پچاس لاکھ افراد صرف ایک ماہ کی قلیل ترین مدت میں برسوں کا روزگار ہو جائیں گے اور کوپن، ڈسکاؤنٹ ٹیبل کے مطابق بذریعہ ایجنٹس فروخت ہوں گے۔ ایجنٹس کو باقاعدہ ٹریننگ دے کر کوپن فروخت کیلئے ایک جدا گانہ رجسٹرڈ لائسنس نمبر جاری کیا جائیگا جو PMF کی نصب شدہ کسی بھی مشین پر ٹیسٹ کیا جاسکے گا۔ ان ایجنٹس کو اجازت ہوگی کہ وہ پورے سال کا کوٹہ بیشک ایک دن میں فروخت کر دیں۔ سال کے پہلے ہی ماہ کوپن ایجنٹس کوشش کریں گے کہ اُنکے سارے کوپن یک جا نہیں، کیونکہ اس طرح ان کو پورے سال کی کمائی ایک ہی دن میں مل جائیگی۔ ایجنٹس سرمایہ کار یا مخیر حضرات کے اشتراک سے بھی کوپن فروخت کر سکیں گے۔ بہت سے ایجنٹس پانچ یا سات فیصد تک کمیشن چھوڑ کر اپنا کوٹہ فروخت کریں گے، کیونکہ جتنا وہ کمیشن میں رعایت دیں گے اتنی ہی تیزی سے اُنکے کوپن فروخت ہوں گے۔ اس سے مخیر حضرات فائدہ اٹھائیں گے اور کوپن اکٹھے کرنے کے بعد مہنگے دور میں بھی ایک روپے کے چھ کوپن فروخت کریں گے۔ اس طرح انہیں کوپن کی فروخت سے پانچ یا سات فیصد کے حساب سے منافع ہوگا۔ چونکہ کوپن زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری اور استعمال ہونے کی وجہ سے اُنکی ہر شخص کو ضرورت ہوگی۔ اس لئے اگر ایجنٹس 5 سے 7 فیصد تک گاہک کو رعایت کر بھی دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہوگا، کیونکہ کم شرح منافع کے ساتھ زیادہ تعداد میں کوپن کی فروخت سے اُنکا منافع مجموعی طور پر زیادہ ہی ہوگا۔ غریب لوگ جو سال کے شروع میں ایک روپے کے چھ کوپن نہیں خرید سکیں گے انہیں بھی ایک روپے کے چھ کوپن ضرور ملنے رہیں گے۔ اس طرح محض ایک لاکھ روپے خرچ کرنے والے حضرات ایک روپے کے چھ کوپن بیچ کر صد فیصد منافع کما سکیں گے۔ اسکے علاوہ دس ہزار روپے سالانہ ادا کر کے ایک روپے کے چھ کے حساب سے ہر ماہ 20 ہزار نئے کوپن خرید سکیں گے۔ کوئی بھی شخص کم از کم 10 ہزار روپے فیس کے عوض اپنی رجسٹریشن کا تعین خود کر کے 10 ہزار کوپن جمع کر سکے گا اور فروخت زیادہ ہونے کی صورت میں زائد کوپن جمع کرنے کیلئے رجسٹریشن فیس کی رقم بڑھا کر مزید فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ جتنی زیادہ رجسٹریشن فیس ہوگی اتنی ہی سستی قیمت پر کوپن دستیاب ہو سکیں گے۔ تیسری رجسٹریشن زیادہ تر ایسے چھوٹے تاجروں اور کاروباری حضرات کیلئے فائدہ مند ہوگی جو اپنی مصنوعات PMF کے ذریعہ فروخت کریں گے۔ کیونکہ ڈیوٹی فری آپشن اور اس رجسٹریشن کے بغیر مصنوعات بیچنا مہنگا سودا ہوگا۔ اس لئے سال کے شروع میں کوپن کروٹوں روپے مالیت کے کوپن نہ خریدنے والے تاجر PMF کے پاس ایک لاکھ روپیہ یا اسکے جزو ضرورت کی رجسٹریشن کروائیں گے، تاکہ فی روپیہ چھ کوپن خرید کر ہر ماہ دس گنا (دس لاکھ روپے تک کا پنا) مال PMF کے ذریعہ درآمد، برآمد یا فروخت کر سکیں گے، جس پر اُنکے نام ایک رسید جاری کی جائیگی، جسے ایک ہی مرتبہ استعمال کیا جاسکے گا اور اسکے حصول پر 15 فیصد کوپن PMF کو جمع کروانے پڑیں گے۔ یعنی اگر کوئی تاجر PMF کے ذریعہ ایک ہزار روپے کی اشیاء بیچتا ہے تو اُسے 15 فیصد کی شرح سے 150 روپے حکومت کے خزانہ میں جمع کروانا ہوں گے۔ یا یوں کہیے کہ ایک کارخانہ دار اپنا دس لاکھ روپے کا مال بیچنے کیلئے PMF کو ایک روپیہ کے چھ کوپن کی شرح سے ڈیڑھ لاکھ کوپن جو پچیس ہزار روپے کی مالیت سے بھی کم کے ہوں گے، اُن کے مساوی 15 فیصد کوپن یا پچاس ہزار روپے سے کم 5 فیصد نقد ادا کیگی کر کے ایک رسید فروخت کی حاصل کریگا۔ اُسے وہ سستے کوپن کی خریداری یا ڈیوٹی فری اشیاء کی درآمد یا دونوں کیلئے صرف ایک ہی مرتبہ استعمال کر سکے گا۔ یعنی سامان بیچتے وقت وہ ڈسٹری بیوٹر سے یہی 15 فیصد کوپن یا 5 فیصد نقد طلب کر سکتا ہے اور ڈسٹری بیوٹر یہی 15 فیصد کوپن یا 5 فیصد نقد ہول سیلر سے لے گا اور ہول سیلر اسی شرح کے برابر دکاندار سے، اور دکاندار گاہک سے وصول کریگا۔ اس طرح GST یا اس قسم کا کوئی دیگر ٹیکس لگانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

مختصر یہ کہ کوپن ایک سے زائد بار فروخت ہونے سے اُنکی گردش مستحکم ہوگی۔ چونکہ دولت کے معنی گردش کے ہیں جو کسی مخصوص طبقہ تک محدود نہ ہوگی، بلکہ پورے معاشرے کے رگ و پے میں اس طرح گردش کرے جس طرح انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے (59/7)۔ اس طرح تاجر برادری (کاروباری افراد) اپنی پیداواری لاگت کم کرنے کیلئے ایسی رجسٹریشن کو ترجیح دیں گے اور ایک لاکھ روپے کی رجسٹریشن کروا کر ایک روپے کے چھ کوپن خرید یا دس ملین روپے کی ڈیوٹی فری اشیاء درآمد کر سکیں گے۔ چنانچہ جب صارف کو واضح فرق کے ساتھ دو قیمتوں کے رائج سرکاری نظام کی وجہ سے اشیاء مقابلاً کوپن سسٹم کے تحت انتہائی سستی ملیں گی تو ڈیلر سب ڈیلر سے اور ڈسٹری بیوٹر پر چون فروش سے فائدہ اٹھانے کیلئے 15 فیصد کوپن جمع کروانے کو ترجیح دیگا، تو ایسے میں یہ کوپن تاجر ڈیلر

سے، ڈیلر دکاندار سے، اور دکاندار گاہک سے لے گا اور گاہک اس دکاندار سے خریداری زیادہ پسند کرے گا جو زیادہ سے زیادہ کوپن قبول کرے گا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے عام صارف کو مال کم قیمت پر ملے گا جس پر وہ کسی ناکسی طرح سستے کوپن حاصل کرنے کی سہولت کا خواہاں رہے گا، اور اس سے یہ 15 فیصد کوپن ادا کرنے میں تامل نہیں ہوگا۔ یہ طریقہ نئی شے میں تمام اشیاء کیلئے استعمال ہوگا، کیونکہ تاجر اپنی اشیاء کی فروخت میں کوپن ضرور لے گا، تاکہ وہ اس سہولت سے بھرپور فائدہ اٹھا سکے۔ یہ بھی درست ہے کہ زیادہ تعداد میں تاجر اور پرچون فروش جیسے کاروباری طبقہ مالی سال کے آغاز پر اپنی بڑی مقدار میں کوپن خرید کر اس قدر بڑی رقم جمع کرنا دانشمندی نہیں سمجھیں گے۔ اس لئے انہیں یہ موقع دیا جائیگا کہ وہ سال کے پہلے ماہ میں ایک لاکھ کی رجسٹریشن کروائیں اور ہر ماہ ایک لاکھ روپے کے عوض چھ لاکھ کوپن خریدیں۔ اس کیلئے کاروباری طبقہ کو سال کے شروع میں اپنے کاروبار کی رجسٹریشن کروانا ہوگی۔ یہ رجسٹریشن پیشہ ور لوگ ترجیحاً کروائیں گے جنکا سالانہ خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ بھاری رقم ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہونگے جو کوپن کی فروخت کو کاروبار بنائیں گے اور اس مقصد کیلئے انکو ہر ماہ بہت زیادہ کوپن کی ضرورت ہوگی۔ گاہکوں یا اوپن مارکیٹ سے خرید کر جمع کیے گئے دس ہزار کوپن PMF کو اگزا کر کرنا لازمی ہوگا جو بغیر کسی قیمت کے تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ کارخانہ دار کوپن کا اپنا سال بھر کا کوٹہ ایک ہی وقت میں فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن ایک بار میں ایک لاکھ رجسٹریشن فیس ادا کر کے وہ دس لاکھ روپے ماہانہ سے کم اور سالانہ 12 ملین سے زیادہ فروخت نہیں کر سکے گا۔ رسید فروختی کو وہ PMF کے حوالے کر کے اپنی ادا شدہ سالانہ فیس سے کہیں زیادہ وصول کر لے گا۔ کیونکہ ایسے تاجر یا کارخانہ دار جن کے پاس کوپن ختم ہو گئے ہوں گے یا ان کو خام مال یا اشیاء کی درآمد کی اشد ضرورت ہوگی، وہ منہ مانگے داموں پر اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے ان سے کوپن خریدیں گے۔ جبکہ اس وقت حال یہ ہے کہ کارخانہ دار اپنے تیار شدہ مال کا 10 سے 15 فیصد ذخیرہ ظاہر کرتا ہے، کیونکہ مال کی پوری مقدار ظاہر کرنے کے ساتھ ہی ایکسائز اور سیلز ٹیکس کے گمشتے ملک و قوم کی بجائے نجی لوٹ مار کیلئے گدھوں کی طرح نازل ہو جاتے ہیں، جس سے منافع کھائے میں بدل جاتا ہے اور یوں حکومت کو 10 سے 15 فیصد ٹیکس وصول ہونا بھی محال ہو جاتا ہے۔

امداد باہمی کوپن اسکیم کے لامحدود فوائد کے تحت فیکٹری مالک اصل سے کہیں زیادہ مقدار ظاہر کر کے زیادہ کوپن یا ڈیوٹی فری سہولت حاصل کر سکے گا جس کو بیچ کر نہ صرف وہ اپنی سالانہ رجسٹریشن فیس واپس حاصل کرے گا، بلکہ کئی گنا منافع بھی کمالے گا اور حکومت کو 2.5 فیصد ملتا رہتا تو آمدنی میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ ایک مختار اندازے کے مطابق اگر پاکستان میں روزانہ دس ٹریلین (سوکھرب) روپے کا کاروبار ہوتا ہے تو ہر ٹریلین دین پر 15 فیصد کوپن یا 5 فیصد نقدی کے متبادل بانڈ حکومت کو ملیں جو 2.5 فیصد بنتے ہیں جس کے حساب سے دس ٹریلین کے برابر ہونے والے کاروبار پر حکومت کو روزانہ 250 ارب روپے مل سکتے ہیں اور یہ ایک ایسی رقم ہے جو حکومت کو کوپن کی خریداری پر بغیر کچھ خرچ کیے روزانہ کی بنیاد پر ملتی رہے گی جو ماہانہ بنیادوں پر کھریوں میں پہنچ جاتی ہے جس کا سالانہ تخمینہ امداد باہمی کوپن اسکیم کے تحت سونے کی کان کے مترادف ہے۔ ایسے میں ایک ایسا وقت بھی آئیگا جب حکومت ٹیکس لگانے کی بجائے بجلی اور ٹیلیفون جیسی سہولتیں بالکل مفت یا انتہائی کم ریٹ پر مہیا کرنا شروع کر دیگی۔ اس سارے کاروبار میں PMF کا کردار کلیدی اور بہت اہمیت کا حامل ہوگا۔ انفرادی یا مالیاتی کنسورشیم کی صورت میں کوپن رائٹس (حقوق) کے حصول کی بولی کیلئے کامیاب ہونے والے ادارہ سے PMF کا کمیشن 0.025 سے 0.05 فیصد ہو سکتا ہے۔ چونکہ بہت بڑی رقم میں کاروبار ہوگا، اس لئے یہ محتانہ بہت زیادہ بن جائیگا جو حکومت کو کچھ خرچ کیے بغیر پہلے ہی ماہ میں پورے سال کے بجٹ کے برابر شرطیہ طور پر ڈیوٹی ملین (15 سے 20 کھرب) روپے کے لگ بھگ رقم حاصل ہوگی جو سال کے آخر میں بڑھ کر کہیں زیادہ ہو جائیگی۔ یہ جمع ہونے والا کثیر سرمایہ اُس طرح قرض نہیں ہوگا جس طرح کہ حکومت مختلف اوقات میں سودی بینکوں اور IMF جیسے عوام ڈنٹن مالیاتی اداروں سے حاصل کرتی رہتی ہے۔ ملک بھر سے تمام بالواسطہ و بلاواسطہ ٹیکسوں اور ڈیوٹیوں کا مکمل خاتمہ ہو جائیگا۔ ویسے بھی سلام میں ٹیکس کا ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔ البتہ اگر دولت کی منصفانہ تقسیم نہ ہو رہی ہو اور زکوٰۃ و فطرانہ وغیرہ سے بھی غربت کا خاتمہ نہ ہو رہا ہو تو عبوری بندوبست کے تحت نظام ربوبیت کے مکمل نفاذ سے قبل اتفاق واجب ہو سکتا ہے جس کی شکل ٹیکس بھی ہو سکتی ہے جو غیر مسلموں سے ’جزیہ‘ کی صورت میں عائد کیا جاسکتا ہے، جبکہ مسلمانوں سے ’زکوٰۃ‘ لی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان کا ٹیکسوں سے چلایا جانے والا معاشی نظام قرضوں اور سود پر قائم ہے جو ہر لحاظ سے غیر منصفانہ اور ظالمانہ، بلکہ غیر اسلامی نظام ہونے کے باوجود اس میں پیوند لگا کر اصل کے ساتھ چپکانے کی ہمہ وقت کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن امداد باہمی کوپن اسکیم ایک ایسا عبوری اسلامی نظام ہے جس میں ٹیکسوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ البتہ کالے دھن کو معیشت کا جزو بن کر سفید کرنے کیلئے حکومت کوپن کی خریداری کے وقت مال کے تاخذ کے بارے میں پاکستان تحریکِ اجتماع (PTI) کے مجوزہ اسلامی نظام کے مکمل رائج ہونے تک کوئی سوال نہیں پوچھے گی جو براہ راست حکومت کے خزانے میں جا رہا ہوگا۔ اس طرح ٹیکسوں کے خاتمہ کے بعد کھریوں روپے کا وہ سرمایہ باہر آجائیگا جو حکومت لاکھ کاشتوں کے باوجود برآمد کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس سے عین ممکن ہے کہ پہلے سال میں ہی ملک کے جملہ قرضے اُتر جائیں۔ چونکہ کوپن کی خریداری میں کسی قسم کی بازپُرس نہ ہونے کی وجہ سے کالا دھن معاشی دھارے میں مل جائیگا، جس کا منافع جائز اور اسمگلنگ سے زیادہ ہوگا۔ ایسی صورتحال میں پاکستان کے اندر ڈیوٹی فری آپشن سمیت انڈسٹری پر عروج آنے سے ملک میں سستی اور معیاری مصنوعات بننا شروع ہو جائیں گی جس سے اسمگلنگ اور درآمدات کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

نظریہ ترغیب کی سکیم کے تحت ہی بینکوں کے ذریعہ زرمبادلہ پاکستان ارسال کرنے والوں کو 18 کوپن بونس کے طور پر حاصل ہونگے اور کرنسی تبادلہ کے ریٹس کی تغیر پذیر شرح کا انحصار فری مارکیٹ ریٹس پر ہونے کے باوجود مافیہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ہنڈی جیسے حوالہ ریٹس سے سرکاری ریٹ کم از کم 5 فیصد زائد رکھے جائیں گے جس سے ایک مختار اندازے کے مطابق حکومت پاکستان کو سالانہ 15 ارب ڈالر کے لگ بھگ آمدنی حاصل ہوگی۔ اتنی کثیر رقم ملنے کے بعد حکومت پاکستان کی معاشی حالت مستحکم ترین ہو جائیگی اور امداد باہمی کوپن سسٹم کے نفاذ کے ساتھ ہی بینکوں میں بھی کسی شرح سود پر رقم جمع رہنا ناممکن ہو جائیگا، کیونکہ کوپن سے حاصل ہونے والا منافع کہیں زیادہ ہوگا۔ نتیجتاً تمام رقم بینکوں سے باہر آجائیں گی اور بینکوں کو کاروبار کیلئے حکومت کی مدد دکر رہوگی، کیونکہ سکیم ہذا کی بدولت وہ سارا پیسہ جو حکومتی دسترس سے باہر تھا، اب سرکاری کھاتوں میں شامل ہو جانے سے کاروباری منصوبہ بندی لازم ہو جائیگی۔ گویا اب حکومت بینکوں سے قرض لینے کی بجائے دینے کی پوزیشن میں ہوگی۔ یہ رقم سود کی بجائے مشارکہ اور مضاربہ کی شرائط پر دینے سے صنعتوں کو فروغ ملے گا۔

مشارکت و مہارت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کر کے فیکٹری یا کارخانہ لگانے کے خواہشمند افراد کو بینک منصوبے کا پورا تخمینہ بنا کر دیگا، جس میں مع مشینری پر وجیکٹ کی کل لاگت کی تفصیلات اور اس کی فراہمی تک ہر چیز کی فہرست ہوگی۔ حکومت اس منصوبے میں نفع و نقصان کی بنیاد پر 80 فیصد تک سرمایہ کاری کرے گی اور متعلقہ بینک، سٹیٹ بینک کی منظوری کے ساتھ اس شخص سے منصوبے کی کل لاگت کا 20 فیصد وصول کرنے کے بعد تمام مشینری کی فراہمی اور اراضی کے بندوبست سمیت تخمینہ کے مطابق ہر کام پایہ تکمیل تک پہنچا کر چابی سرمایہ کار کے حوالے کر کے بینک اس منصوبہ کے افعال و اعمال کو شفاف رکھنے کیلئے محاسب کی نگران ٹیم تشکیل دیگا، جو اس کاروبار کی نقل و حرکت پر نظر رکھے گی اور کسی قسم کی بدعنوانی کی صورت میں سرمایہ کار کو سزاوارتھ ہرائے گی۔ اس منصوبہ کے منافع میں سے حکومت کو اس کی 80 فیصد سرمایہ کاری کے عوض چالیس فیصد حصہ دیا جائیگا۔ جبکہ باقی 60 فیصد بینک اور سرمایہ کار کے درمیان طے شدہ شرائط کے تحت تقسیم کیا جائیگا۔ اس سنگم کی خوبصورتی یہ ہے کہ کاروبار کی ابتدا سے لے کر پیداواری مراحل کی تکمیل تک حکومت کے زیر کنٹرول بجلی، پانی، گیس اور ٹیلیفون جیسی جملہ مراعات اور سہولتیں ہر شراکت داری پر وجیکٹ کیلئے رعایتی قیمت پر دستیاب ہوگی۔ اس میں حکومت صارف کو قیمت خرید سے بھی نیچے جا کر سہولیات مہیا کر سکے گی جس سے کم قیمت والی مصنوعات اعلیٰ معیار کے ساتھ تیار ہونے کی وجہ سے ملکی اور بین الاقوامی منڈی میں جگہ بنا سکیں گی۔ تاہم مسلسل خسارہ ظاہر کرنے والے بینکوں کو حکومتی سطح پر کوئی فنڈ فراہم نہیں کئے جائیں گے اور وہ کاروباری دوڑ سے باہر ہو جائیں گے۔ **تمام شراکت داری منصوبے اسلامی خطوط پر تجویز کنندہ بینکوں سے قرض حاصل کر کے مکمل کیے جاسکیں گے** جن کی تیار کردہ اشیاء کی قیمتوں کے تقابلی جائزہ سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک کارخانہ دار جو فیض 45 روپے میں بناتا ہے، کس طرح بجلی، گیس، جنرل سیرٹیکس، سپر ٹیکس اور ویلٹھ ٹیکس شامل ہو کر اس کی قیمت 100 روپے ہو جاتی ہے۔ حالانکہ کارخانہ دار کا منافع بہت ہی قلیل ہوتا ہے۔ یہی فیض جب ڈیلر کے پاس جاتی ہے تو وہ بھی اپنا پانچ روپے منافع اس میں شامل کرتا ہے کہ قیمت 105 روپے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سب ڈیلر کے منافع کے ساتھ فیض کی قیمت 110 روپے تک پہنچ جاتی ہے۔ جب دوکاندار اس میں اپنا 25 فیصد منافع شامل کریگا تو یقیناً فیض کی قیمت تین گنا سے بھی زائد 135 روپے تک جا پہنچے گی جو مجوزہ اسلامی طرز حکومت کے نظام میں 45 روپے کی فیض زیادہ سے زیادہ 60، 70 یا 80 روپے تک دستیاب ہوگی۔ کیونکہ ایک روپیہ کے چھ کوپن کی شرح سے 15 فیصد کوپن، ٹیکس کی شکل میں PMF کو لازماً ادا کرنے کے بعد فیض 2.5 روپے اضافہ کے ساتھ کارخانہ دار کو صرف 47.5 روپے کی قیمت میں فروخت کرنا پڑے گی۔ چونکہ 15 فیصد کی مد میں کوپن کارخانہ دار نے PMF کو ادا کیے ہیں جو وہ یہ کوپن ڈیلر سے وصول کریگا۔ ڈیلر سب ڈیلر سے، سب ڈیلر دوکاندار اور دوکاندار گاہک سے وصول کریگا۔ اب قیمت میں صرف ڈیلر، سب ڈیلر اور دوکاندار کا منافع ہی شامل ہوگا۔

پارٹنرشپ کی ایک دیگر صورت میں کرایہ کی بنیاد پر مہیا کئے جانے والے مکان کی تعمیر، ٹیکسی کار اور دیگر منصوبے، جن میں حصہ دار صد فیصد کا مالک ہوگا جن کی اسلامی بینکنگ مدد کرے گی۔ جیسا کہ موجودہ سسٹم میں ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن اپنے مخصوص طریقہ کار کے تحت مکانات کی تعمیر کیلئے قرضے جاری کرتی ہے، جس کی رو سے ایک شخص دس لاکھ روپے کے تخمینہ شدہ مکان کیلئے پلاٹ خرید کر دو لاکھ کارپوریشن سے قرض لیتا اور مکان تعمیر کرتا ہے، جس کا وہاں کی موجودہ مارکیٹ ویلیو کے مطابق شرح کرایہ 1200 روپے ماہوار پر دیا جاتا ہر حال میں منظور ہوتا ہے، چاہے مالک مکان خود رہائش پذیر ہو یا نہ ہو۔ مقررہ کرایہ کو سرمایہ کی نسبت تقسیم کر کے مالک مکان کو 200 روپے بطور حصہ، کرایہ، مکان کا قرض اُتارنے تک کارپوریشن کو ماہانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ MBC سسٹم کے تحت دس لاکھ روپے مالیت کے خرید کردہ مکان کی زر ضمانت دو لاکھ روپے بینک میں جمع کروانے پر قرض خواہ کو باقی آٹھ لاکھ روپے بینک مہیا کرے گا، جس کی اقساط میں واپسی کی تعداد خریدار پر منحصر ہے کہ وہ 120 اور 180 اقساط کے درمیان آسانی سے کتنی ماہانہ اقساط میں یہ قرضہ واپس کریگا۔ فرض کریں قرض خواہ آٹھ لاکھ روپے کو اُتارنے کیلئے 120 اقساط کا انتخاب کرتا ہے جس کے تحت ماہانہ قسط کی رقم (8,00,000 ÷ 120) 6,667 روپے ہوگی جس کے ساتھ ہی خریدار مکان کا کرایہ بھی ماہوار ادا کریگا جو عام شرح سود سے کہیں کم ہوگا۔ اگر عام سود کی شرح 12 سے 16 فیصد ہے تو اسلامی بینک رائج الوقت کرایہ کا آدھا لے گا۔ جیسے جیسے خریدار کی مکان پر ملکیت زیادہ ہوگی اُسی حساب سے اس کا کرایہ بھی کم ہوتا جائیگا۔ دس لاکھ روپے کے مکان کا کرایہ اگر دس ہزار روپے اندازاً لگایا جائے جس کا نصف پانچ ہزار روپے جو تقریباً 0.625% (یا 0.00625) بنتا ہے تو پہلے ماہ کی قابل ادائیگی قسط کے کل واجبات (6,667 + 5,000) 12,667 روپے بنتے ہیں جو لئے گئے قرضہ کی رقم آٹھ لاکھ روپے سے منہا (8,00,000 - 6,667 = 7,93,333) ہونے کے بعد ماہانہ کرایہ (7,93,333 x 0.00625) 4,959 روپے میں 6,667 روپے قسط کی رقم جمع ہونے کے بعد دوسرے ماہ کی ماہانہ قسط کے قابل ادائیگی کل واجبات 11,626 روپے بنتے ہیں۔ اسی طرح قرضہ کی باقی رقم (7,93,333 - 6,667) 7,86,666 روپے کے مطابق ماہانہ کرایہ (7,86,666 x 0.00625) 4,917 روپے نکالنے کے بعد تیسرے ماہ کی ماہانہ قسط کے قابل ادائیگی کل واجبات (4,917 + 6,667) 11,584 روپے بنتے ہیں۔ **اس طرح جوں جوں خریدار اقساط ادا کرتا چلا جائیگا اُس کا ماہانہ کرایہ کم ہو کر مکان پر حق ملکیت زیادہ کرتا چلا جائیگا** اور اگر اس دوران خریدار کسی وجہ یا مجبوری کے سبب دوسرے ماہ کی قسط ادا نہ کر پائے جس کی بقیہ واجب الادا رقم 7,93,333 روپے ہے، تو اُسے آئندہ قسط کی ادائیگی کیلئے دو ماہ کے کرایہ (2 x 4,959) 9,918 روپے میں دو ماہ کی بقایا قسط (2 x 6,667) 13,334 روپے ملا کر (9,918 + 13,334) 23,252 روپے جمع کروانا ہوگی۔ مسلسل ایک سال کی عدم ادائیگی کے بعد بینک مکان کو کھلی منڈی میں بیچ دیگا اور کرایہ کاٹنے کے بعد بقیہ رقم خریدار کو واپس کر دیگا۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ سال کے بعد کوئی بھی اپنے مکان سے جُدا ہونا پسند نہیں کرے گا۔

اسی طرح گاڑی خریدنے کے خواہشمند کیلئے گاڑی کی قیمت اگر ایک لاکھ روپے ہے تو وہ شخص بینک میں بیس ہزار روپے جمع کروائے گا اور باقی اسی ہزار روپے بینک دیگا جس کی اقساط خریدار پر منحصر ہے کہ وہ بارہ سے ساٹھ اقساط کے درمیان کتنی ماہانہ اقساط میں یہ قرضہ واپس کریگا۔ ہم بیس اقساط کی مثال لیتے ہیں جس کے تحت ماہانہ قسط (80,000 ÷ 20) 4,000 روپے کے ساتھ خریدار عام شرح سود چھ فیصد کی بجائے اسلامی بینک کی مناسبت سے اس کا کم از کم آدھا تین (3) فیصد کے حساب سے کرایہ (3% of 80,000) 2,400 روپے ڈال کر ماہانہ قسط کے قابل ادائیگی کل واجبات

(2,400+4,000) 6,400 روپے ادا کریگا۔ جس کے بعد دوسرے ماہ قرض کی باقی رقم (4,000-80,000) 76,000 روپے کے مطابق ماہانہ کرایہ (3% of 76,000) 2,280 روپے ڈال کر ماہانہ قسط 4,000 روپے کے ساتھ قابل ادائیگی ماہانہ قسط کے کل واجبات (2,280+4,000) 6,280 روپے ادا کریگا۔ اس طرح اقساط کی لگاتار واپسی کے نتیجے میں جہاں خریدار کی گاڑی پر ملکیت زیادہ ہوتی چلی جائیگی وہاں اس کا کرایہ بھی ویسے ہی بتدریج کم ہوتا چلا جائیگا۔ البتہ اس دوران اگر خریدار کسی وجہ یا مجبوری کے سبب دوسرے ماہ کی قسط ادا نہ کر پائے تو اس کی آئندہ قسط کی واجب الادا رقم 76,000 روپے میں سے (3% of 76,000) کے مطابق دو ماہ کا کرایہ (2 x 2,280) 4,560 روپے جمع قرض میں سے بتایا دو ماہ کی قسط (4,000 x 2) 8,000 روپے شامل کر کے دو ماہ کی بقایا رقم (4,560+8,000) 12,560 روپے ادا کریگا۔ تیسرے ماہ کی عدم ادائیگی کے بعد بینک گاڑی کو کھلی منڈی میں بیچ دیگا اور کرایہ کاٹنے کے بعد بقیہ رقم خریدار کو واپس کر دیگا۔ اسکے علاوہ پروجیکٹ کا حصہ دار یا مالک اگر چاہے تو ہر پروجیکٹ پوری طرح سے بیمہ شدہ ہو سکے گا۔ پروجیکٹ کی کامیاب تکمیل کے بعد مال کی تیاری شروع ہونے پر حکومت پہلے سال فری بیمہ کرے گی۔ لیکن دوسرے ماہ اگر مالک چاہے گا تو منافع کے پانچ فیصد کے عوض حکومت بیمہ کر دے گی۔ سال کے بعد اگر کسی قسم کی کوئی ناگہانی آفت نہیں آتی تو حکومت نے جو اس بیمہ کی رقم سے کاروبار کیا ہوگا اُس کا منافع خود رکھ کر تکفل کی مانند بیمہ کا تمام اصل سرمایہ بیمہ کروانے والے کو واپس کر دیگی۔

اسلام کے نظام رِبو بیت کے مکمل نفاذ سے قبل عبوری بندوبست کی ایک درمیانی صورت تکفل کی بھی ہو سکتی ہے جس کی بنیاد بھائی چارہ، امداد باہمی اور تبرع کے نظریہ پر ہے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی قسم کا سودی عنصر موجود نہیں ہے اور اسکے تمام شرکاء باہم ضامن بن کر خطرہ مول لیتے ہوئے مقررہ اصول و ضوابط کے تحت ممکنہ مالی اثرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ **روایتی انشورنس کے مقابلہ میں تکفل کا نظام ایک عقد تبرع ہے جس میں شرکاء آپس میں خطرات کو تقسیم کرتے ہیں۔** ذرائع آمدن کیلئے لوگوں کا سرمایہ بر شریکھا، یوریا، داؤد ہرکولیز کیمیکل و یا مایا موٹر سائیکل و ڈیسکون و انوسٹمنٹ بینک اور اینگریٹو ڈیزل وغیرہ جیسی کمپنیوں پر لگا کر انہیں ہر تین ماہ بعد کمپنی کی طرف سے یونٹ پر اُس کی چٹھی ارسال کی جاتی ہے، تاکہ سرمایہ کاری کرنے والوں کے علم میں رہے کہ کہاں سے اور کتنا منافع ہو رہا ہے۔ شریک تکفل کی جانب سے تعاون ادا کرنے کے بعد یہ رقم دو مقاصد میں تقسیم ہو جاتی ہے، جس کا کچھ حصہ بطور تبرع وقف پول میں چلا جاتا ہے اور باقی ماندہ حصہ سرمایہ کاری میں لگا دیا جاتا ہے۔ اس رجسٹرڈ مالیاتی ادارے کو Highest paid up Capital ہونے کی بنا پر حکومت کی سرپرستی حاصل ہوگی۔ تکفل کے سلسلہ میں سرمایہ کاری کرنے والوں کو جانی و مالی تحفظ فراہم ہوگا۔ قرض حسد دینے کے ساتھ موت کی صورت میں بچوں کی کفالت و تعلیمی اخراجات برداشت کرنے سمیت باقی ماندہ پلان کی اقساط خود تکفل ادا کریگا اور دس سال مکمل ہونے پر رقم وراثت کے حوالے کر دیگا۔

جائز طریقہ کار کے تحت خطروں سے نمٹنا اور مالی اثرات کو ختم یا کم کرنے کا تصور نیا نہیں ہے اور نہ ہی خلاف اسلام ہے۔ بلکہ یہ تصور قرآن و احادیث میں موجود ہے، جہاں باہمی امداد اور تعاون و تناصر کی بڑی ترغیب وارد ہوئی ہے اور یہی باہمی امداد و تبرع، تکفل کی بنیاد ہے۔ ”نیکی اور تقویٰ“ کے کاموں میں ”ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو“ (المائدہ)۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں“ (الحجرات)۔ لہذا تعاون و بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ مسلمان نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، بلکہ باہمی سہارا بن کر مصیبت اور پریشانی میں کام آئیں اور بُرے مالی اثرات سے ایک دوسرے کو بچائیں۔ یہی نظریہ تکفل کی بنیاد ہے۔ **قرآن کی رو سے ضرورتمند فرد، معاشرہ سے بطور حق، امداد طلب کر سکتا ہے (3/101, 76/9) جو لین دین کے زمرے میں بھی نہیں آئیگا۔** آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے پانچ ماہ بعد وہاں کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا تھا جس کے تحت ”ہر گروہ کو عدل و انصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینے کا پابند بنایا گیا تھا کہ جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اُسے چھڑانے کا فدیہ اُسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔“

جبکہ رائج روایتی انشورنس میں کچھ رقم (پریمیم) کے بدلے ممکنہ خطرات کو ٹرانسفر کر کے، کم یا ختم تو کر لیا جاتا ہے، لیکن اس میں سود، قمار، اور غر جیسی بعض غیر شرعی خرابیوں اور طریقہ کار کی بناء پر فقہاء کرام نے اس کی مخالفت کی ہے۔ لیکن صدیوں سے اجتماعی تعاون کی عملی سماجی روایات کے انداز میں ”تکفل“ کے مفہوم کی بہت سی صورتیں بہر حال رائج ہیں۔ جیسا کہ مشترکہ خاندانی نظام، کوآپریٹو سوسائٹیز، خوشی کے موقع پر ڈالے جانے والے نوٹوں کے ہار، تحائف، نیوتا، امداد باہمی، چندہ، امانتیں جمع کروانا، شراکتی کاروبار اور فیلٹری وغیرہ کے حصص کی خریداری، کسی ضرورتمند کی مدد کیلئے حبہ اللہ کی بنیاد پر تحفہ دیا جانے والا صدقہ و خیرات، مذہبی تہواروں کے موقع پر فطرانہ، قربانی کی کھالوں کی صورت میں دی گئی امداد سے باہم خطرات تقسیم کر لئے جاتے ہیں، جو فلاح عامہ کیلئے تعاون کا اجتماعی تصور ہیں، جو مستحقین محنت کیے اور سرمایہ لگائے بغیر حاصل کرتے ہیں۔

تاہم بعض کے نزدیک انشورنس یا تکفل، اسلامی تصور توکل کے خلاف ہے۔ جبکہ ”توکل“ اسباب ترک کرنے کی بجائے اختیار کر کے نتائج و ثمرات کو اللہ کے سپرد کرنے کا نام ہے۔ جیسا کہ ایک بدوی شخص نے اونٹ کو باندھے بغیر چھوڑ کر ”توکل“ سمجھا، جس پر آپ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اونٹ کو پہلے باندھو اور پھر اللہ پر توکل کرو (ترمذی شریف)۔ نظام تکفل کے جائز، بلکہ مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں، بشرطیکہ یہ اپنے صحیح اصول کے مطابق اور اخلاص کے ساتھ ہو۔

تکفل کے نظام میں مختلف افراد کمپنی کے ممبر حصہ دار ہونے کے ناتے بطور واقف کچھ رقم یا قاعدہ وقف کر کے ایک مشترکہ پول تشکیل دیتے ہیں، جس کی ملکیت وقف کنندہ سے اللہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ بوقت ضرورت اس مشترکہ پول میں پیسے جمع کروانے والے منافع سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ”واقف کا وقف میں شرائط لگانا یا بعض ضروری قواعد وضع کرنا صاحب شریعت کے فرمان کی مانند ہے“، جس کے تحت جو شخص بھی اس وقف فنڈ کو عطیہ دیگا وہ نافذ شرائط کے مطابق فوائد اٹھانے کا مستحق ہوگا۔ وقف فنڈ سے ممبران کا تعلق محض عقد تبرع کا ہوتا ہے۔ گویا مشروط وقف نہ صرف جائز بلکہ متعین اصول کی روشنی میں ان کی پابندی بھی لازم ہے۔ اس طرح تکفل سسٹم میں وقف کرنے والا، وقف کے مصالح کے پیش نظر، وقف کے دائرہ کو مخصوص افراد تک محدود اور وقف

فندہ سے استفادہ کرنے کی مخصوص شرائط مقرر کر سکتا ہے۔ لوگ اس فندہ کی رکنیت حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ اس فندہ زکوٰۃ تبرع ایک خاص مقدار میں حسب شرائط وقف (نامہ) عطیات دیتے ہیں اور جن شرکاء کو کبھی کوئی نقصان پہنچے تو وہ وقف فندہ سے فوائد کے حصول کے مستحق ہوتے ہیں، جو عطیات اس فندہ میں آتے ہیں وہ محض تبرعات ہوتے ہیں، بذات خود وقف نہیں ہوتے۔ بلکہ مملوک وقف ہوتے ہیں، جیسا کہ کسی بھی وقف میں دیا گیا چندہ وقف نہیں ہوتا، بلکہ مملوک وقف ہوتا ہے۔ یہ عطیات چونکہ شرکاء کی ملکیت سے خارج ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور نہ ہی میراث کے احکام جاری ہوتے ہیں، بلکہ سال کے اختتام پر تمام ادائیگیوں کے بعد بچ جانے والی رقم (سرپلس) کے وہ مستحق بھی نہیں ہوتے ہیں، کیونکہ یہ تبرعات مکمل طور پر پول کی ملکیت میں چلے جانے سے وقف پول، فوائد و ضوابط کے مطابق ان رقم کو استعمال کرتا ہے۔ لیکن جب ان کو نقصان پہنچتا ہے تو پھر اس کے نتیجہ میں وہ اس وقف پول سے فوائد کے حصول کے مستحق ہوتے ہیں۔ مذکورہ فندہ زکوٰۃ شرعی طریقہ کے مطابق کاروبار میں لگایا جاتا ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع کا مالک یہی وقف فندہ ہوتا ہے۔ اس فندہ سے شرکاء کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان کے وقف فندہ کو دیئے گئے تبرعات کی بنیاد پر نہیں ہوتے، بلکہ یہ فوائد عطاء مستقل ہوتے ہیں۔ یعنی اس لحاظ سے کہ عطیہ دینے والے بھی موقوفِ عظیم میں داخل ہیں۔ کیونکہ واقف نے وقف سے استفادہ کا حق اس کو دیا ہے جو اس کی رکنیت حاصل کرے۔ اس لحاظ سے ہر ممبر موقوف علیہ ہو گیا، یعنی جس پر وقف کر دیا گیا ہو۔ تکافل نظام میں کمپنی کی ایک حیثیت وکیل یا منیجر کی ہوتی ہے جو وقف فندہ کی دیکھ بھال کیلئے ”وکالہ فیس“ وصول کرتی ہے، جو وقف شدہ عطیات کے فندہ سے وصول کی جاتی ہے۔ نیز کمپنی وقف فندہ میں موجود رقم کو اسلامی اصولوں کے مطابق سرمایہ کاری میں لگاتی ہے۔ اس حیثیت سے کمپنی چونکہ مضارب ہوتی ہے اور فندہ رب المال ہوتا ہے۔ لہذا کمپنی مضاربہ کے نفع میں سے متعین حصہ وصول کرتی ہے۔ وقف فندہ کی آمدنی میں شرکاء تکافل سے وصول شدہ زرع و تعاون، ری تکافل آپریٹرز سے حاصل شدہ کلیمز، فندہ کی سرمایہ کاری سے حاصل شدہ نفع، پول کے فندہ میں سے خسارے کی صورت میں وکیل (کمپنی) سے حاصل شدہ قرض حسنہ اور اس فندہ میں دیا جانے والا کوئی بھی عطیہ شامل ہے۔ جبکہ وقف کے اخراجات میں شرکاء تکافل کے کلیمز کی ادائیگی، ری تکافل کے اخراجات، تکافل آپریٹر کی فیس، فندہ کی سرمایہ کاری کے نتیجہ میں تکافل آپریٹر کا نفع میں حصہ، سرپلس کا وہ حصہ جو ممبرز میں تقسیم کیا جاتا ہے، قرض حسنہ کی واپسی، عطیات/خیرات کی مدد میں ادا کی گئی رقم شامل ہوتی ہیں۔

جنرل تکافل میں اثاثہ جات، یعنی جہاز، موٹر اور مکان وغیرہ کے ممکنہ خطرات سے نمٹنے کیلئے تکافل کی رکنیت فراہم کی جاتی ہے اور اگر تکافل کی رکنیت حاصل کرنے والے اثاثہ کے ساتھ کوئی حادثہ لاحق ہو جائے تو اس نقصان کی تلافی ”وقف فندہ“ سے کی جاتی ہے۔ کمپنی وکالہ فیس کے عوض وقف فندہ کو منظم کرتی ہے، جسے سرمایہ کاری کیلئے کسی شرعی کاروبار میں لگایا جاتا ہے، جس کی مختلف شرعی شکلیں اور صورتیں ہوتی ہیں، جن کے نفع کو خاص تناسب سے طے کیا جاتا ہے، جس سے کمپنی کو بحیثیت مضارب اپنا حصہ ملتا ہے اور باقی نفع وقف فندہ میں جاتا ہے، جو فندہ کی اپنی ملکیت ہوتا ہے۔ فیملی تکافل میں انسانی زندگی کے ممکنہ خطرات سے نمٹنے کیلئے تکافل کی رکنیت فراہم کی جاتی ہے، جس میں شرکاء کو تکافل کے تحفظ کے ساتھ حلال سرمایہ کاری کے مواقع بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس میں وقف فندہ کے علاوہ شریک تکافل کا سرمایہ کاری فندہ ہوتا ہے۔ جبکہ جنرل تکافل میں شریک تکافل (کا) اکاؤنٹ نہیں ہوتا۔ شریک تکافل کی جانب سے دی گئی رقم پہلے سرمایہ فندہ اکاؤنٹ میں آتی ہے، جہاں پر یہ سرمایہ کاری اسلامک میوچل فندہ کی طرز پر عمل میں لائی جاتی ہے اور اس رقم سے شرکاء کیلئے فندہ میں یونٹس خرید لئے جاتے ہیں۔ پھر وہاں سے کچھ حصہ یونٹس کی منسوخی کے ذریعہ وقف فندہ کیلئے نکال لیا جاتا ہے۔ وقف فندہ میں موجود (ہ) رقم شریک رکن کی ملکیت ہوتی ہے جس پر میراث اور زکوٰۃ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ وقف پول میں آنے والی رقم محض تبرع کی بنیاد پر ہوتی ہے جو شریک تکافل کی عمر، صحت، پیشہ، اسکے طور طریقے اور رکنیت پلان کے مطابق مختلف ہو سکتی ہے۔ سرمایہ کاری فندہ میں موجود رقم سے اخراجات نکالنے کے بعد، بچنے والی رقم کو کمپنی بطور وکیل، شریعہ بورڈ کی نگرانی میں سرمایہ کاری کیلئے لگاتی ہے جس کیلئے وہ اپنی وکالہ فیس وصول کرتی ہے، جس کا نفع سے تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح سرمایہ کاری کے نتیجہ میں حاصل شدہ منافع شریک تکافل کو فراہم کیا جاتا ہے، جسے اگر زندگی میں کبھی کوئی حادثہ لاحق ہو جائے تو وقف فندہ سے اس کی تلافی کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ شریک تکافل کی جانب سے ادا کردہ زرع و تعاون دو مقاصد میں تقسیم ہوتا ہے، یعنی رقم کا کچھ حصہ بطور تبرع وقف فندہ میں چلا جاتا ہے اور باقی ماندہ حصہ سرمایہ کاری میں لگایا جاتا ہے۔ تکافل تحفظ کے سلسلہ میں تمام کلیمز کی ادائیگی وقف پول سے کی جاتی ہے۔ اسی طرح سال کے آخر میں کلیمز کی ادائیگی اور اخراجات منہا کرنے کے بعد شریعہ بورڈ سے منظوری لے کر سرپلس کو شرکاء کے درمیان تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ نقصان کی صورت میں تکافل آپریٹر اپنی وکالہ فیس میں کچھ اضافہ کیے بغیر ”وقف فندہ“ کو قرض حسنہ فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ تکافل، عقد تبرع، جبکہ مروجہ انشورنس، عقد معاوضہ ہے۔ تکافل میں سرپلس سے ممبر زکوٰۃ حاصل سکتا ہے، جبکہ انشورنس میں یہ کمپنی کا ہوتا ہے۔ لہذا یہ واضح ہوا کہ روایتی انشورنس عقد معاوضہ ہونے کی وجہ سے سود، قمار اور غرر سے مرکب ہے۔ جبکہ تکافل کی بنیاد محض تبرع ہے، جس میں ربو (ربا) کا تصور ہی نہیں اور اگر غرر ہے تو عقد تبرع میں مؤثر نہیں۔

بہر کیف یہ سب ربا فری سسٹم کے تحت امداد باہمی کو پین سکیم کی برکتوں کا نتیجہ ہوگا جس سے بتدریج حقیقی معنوں میں اسلامی بینکاری نظام رائج ہوگا۔ امداد باہمی کو پینز کو جدید مشین کارڈز کی طرز پر رائج الوقت کرنسی سے جدا گانہ حیثیت حاصل ہوگی۔ یہ بھی سونے کے ذخائر جیسی دولت کی ضمانت پر حسب ضرورت جاری ہونگے، جنہیں پاکستانی روپے کی بنیادی ضمانت پر حکومت پاکستان کرنسی نوٹ کے معیار اور حفاظتی تدابیر پر گورنمنٹ پرنٹنگ پریس میں چھاپے گی۔ انکی چھپائی میں کرنسی نوٹ کیلئے اختیار کی جانے والی تمام حفاظتی تدابیر استعمال کی جائیں گی۔ یہ کوپن کرنسی نوٹ سے بالکل مختلف رنگوں اور سائز کے ساتھ 10، 50 اور 100 کی تعداد میں کوپن بکس، سٹکوں اور پلاسٹک کے کرڈٹ کارڈز کی صورت میں فروخت ہونگے، تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی کا امکان پیدا نہ ہو اور حسب ضرورت بک سے علیحدہ کر کے یا کارڈ کو مشین کے ذریعہ استعمال میں لایا جاسکے گا۔ کوپن کی ضمانت کرنسی نوٹ ہوگا جس سے یہ خریدے جاسکیں گے جو سٹک اور نوٹوں کی شکل میں بھی میسر ہونے کے علاوہ کارڈ کی صورت میں ATM مشین سے چارج ہو سکیں گے۔ جیسا کہ دور جدید میں بتدریج کاغذی نوٹوں کی بجائے آن لائن ٹرانزیکشن ہی ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے

کو پین سسٹم کے مماثل ٹیلیفون کارڈ، بیزا کارڈ اور ایسی کئی دیگر سسٹمیں نظام ہذا سے ملتی جلتی ہیں کہ صارفین کو ایک سو روپے کی نقد ادائیگی پر ٹیلیفون کارڈ کے ذریعہ اضافی وقت کی رعایت، جبکہ فون کمپنی کو ایڈوائس کی رقم ملنے سے دونوں فریق فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح بیزا کمپنی والے ایک خرید نے پر دوسرا مفت دینے کے نام پر کارڈ بیچتے ہیں۔ پانچ سو روپے کا کارڈ لینے پر وہ گاہک کو ایک اضافی سہولت دے کر باہم فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے ہی سالانہ ممبر شپ فیس ادا کرنے پر قاری کو پورا سال اخبار یا رسالہ رعایتی نرخوں پر ملتا رہتا ہے۔ گویا ادارے ایڈوائس میں رقم اکٹھی کر کے پہلے اپنا معاشی استحکام بناتے ہیں پھر اپنے صارف کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ایسا نظام وسیع تناظر میں کوئی فرد یا ادارہ نہیں بلکہ حکومت نافذ کر سکتی ہے جس کے پاس مطلوبہ وسائل کا نیٹ ورک ہوتا ہے۔ چنانچہ کو پین سسٹم کے رائج ہونے پر ایشیائے صرف کی قیمتیں کم ہو کر ایک تہائی سطح تک آجائیں گی۔ غیر معمولی فوائد کی حامل انعامی بانڈز کی مانند ترغیبی سسٹیموں کے انعامات بذریعہ قرضہ اندازی تقسیم کیے جائیں گے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ یعنی ایک ملین روپے کے ایک ہزار روپے مالیت کے (دس ملین/ ایک کروڑ) انعامات نکالے جائیں گے جس سے ہر آدمی کی کوشش ہوگی کہ وہ زیادہ سے زیادہ بانڈز خریدے۔ ایسا ہونا مروجہ عام انعامی بانڈز کی ضد ہوگا جس میں شرح سود کی زیادتی کی وجہ سے عوام تمسکات (بانڈز) کو بڑی خواہش سے خرید لیتے ہیں، جہاں مجلس اقوام کو اپنے نگران کار ایجنٹس مقرر کر کے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ تمسکات کے کاروبار کو کنٹرول کرے۔ حکومت کے موجودہ بانڈز زخمی و دستعمال کیلئے ہیں، جبکہ مجوزہ غیر سودی ایسے کو پین، بانڈز، کارڈز، سیونگ سرٹیفکیٹس ہیں جن کی مالیت واپس کرنی پڑے، نہ ہی ان پر سود دینا پڑے اور انہیں بلا امتیاز ہر کوئی سرکاری سیکٹر میں 66 فیصد رعایت پر خدمات یا اشیاء خریدنے کیلئے استعمال کر سکے گا۔ علاوہ ازیں مروجہ بانڈز کے برعکس کو پین گھروں میں پڑے رہنے کی بجائے زندگی کے ہر شعبے میں استعمال ہونے کی وجہ سے لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوگا اور تمام ضروریات زندگی کی سہولیات میسر ہونا سونے پہ سہاگہ ہوگا۔

جان لیوا مہنگائی کے قاتل ”رعایتی کو پین/ کارڈ“ عام دنوں میں ایک روپیہ کے دو کو پین ملتے ہیں اور اگر ایک لاکھ روپیہ یا اس کے جزو ضربی یعنی دو لاکھ، تین لاکھ، چار لاکھ یا زائد مالیت کے کو پین مالی سال کے پہلے ماہ خریدے جائیں گے تو ایک روپیہ کے چھ کو پین دستیاب ہونگے۔ دوسرے ماہ مذکورہ مالیت کے پانچ کو پین فی روپیہ کی شرح سے ملیں گے۔ جبکہ تیسرے ماہ بشرح چار کو پین فی روپیہ اور باقی سال بھر روپے کے تین کو پین ملتے رہیں گے۔ سال میں صرف ایک بار لاکھ روپیہ خرچ کر کے تین لاکھ بچائے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت پہلی رعایتی ترغیب کے طور پر ایک لاکھ روپیہ کے چھ لاکھ کو پین اور دوسری چھوٹ ایک لاکھ روپیہ کے کو پین کی خریداری پر دس لاکھ روپے کی ڈیوٹی فری رعایت دے گی۔ حکومتی کنٹرول کی اشیاء اور سہولیات ڈگنے کو پین دینے سے ایک تہائی قیمت پر دستیاب ہوگی۔ جیسا کہ عام حالات میں ریلوے کی ایک ہزار روپے کی ٹکٹ دو ہزار کو پین ادا کر کے پانچ صد روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔ بالکل ویسے ہی سستے خریدے گئے کو پینز پر یہی ایک ہزار روپے کا ٹکٹ چھ کو پین فی روپیہ کے حساب سے (2,000 کو پین ÷ شرح 6) محض 333 روپے، پانچ کے حساب سے 400 روپے اور چار کے حساب سے 500 روپے میں ٹکٹ دستیاب ہوگا۔ کو پینز کی مدت اور شرح خرید سے ٹکٹ کی نسبت کم یا زیادہ استفادہ ہوگا۔ اسی طرح کرچی سے لاہور پی آئی اے ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے جس کا دس ہزار روپے کا ٹکٹ متذکرہ بالا کلیہ کے تحت صرف (6 ÷ 20,000) 3,333 روپے، 4,000 اور 5,000 روپے میں ملے گا۔ یعنی عمومی طریقہ کار کے تحت ٹکٹ اگر 10,000 روپے میں مل رہا ہے تو مجوزہ کو پین سسٹم کے مطابق اس کی ادائیگی 20,000 کو پینز دے کر مقابلہ 68% کی زائد شرح کے ساتھ بچت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ایک روپے کے چھ کو پین کی شرح سے موجودہ قیمت کے مطابق 40 روپے پر دستیاب ایک لیٹر پٹرول کو ایم بی سی سسٹم میں 80 کو پین دیکر ازراں نرخوں پر خریدا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی پانچ ہزار روپے بجلی کا بل دس ہزار کو پین دیکر کتاب میں موجود مذکورہ ٹیبل کے مطابق استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

مختصراً یہ کہ دوطرفہ بچت کی تکمیل کیلئے فوائد کے حصول کا یہی طریقہ پیٹرول یا بجلی کے علاوہ پانی، گیس، ٹیلیفون جیسے جملہ یوٹیلیٹی بلز یا سرکاری واجبات، ایندھن، سی این جی، ریلوے یا ہوائی جہاز کے ٹکٹ وغیرہ سمیت انسانی زندگی کے اخراجات میں مرکزی حیثیت رکھنے والی ہر چیز یا سہولت کو پین کے ذریعہ ایک تہائی نرخوں پر دستیاب ہوگی۔ نوے فیصد عوام مستفید ہونگے۔ یہ کو پین یا بانڈز تمام حکومتی زیر کنٹرول اشیاء یا خدمات کے سلسلہ میں استعمال کئے جائیں گے۔ یعنی عمومی طور پر حکومت کے براہ راست زیر کنٹرول بجلی، پانی، گیس، ڈاک، سکول، کالج یا سرکاری فیسیں، ریلوے یا پی آئی اے کے ٹکٹس جیسی تمام اشیاء اور خدمات عام آدمی کو ”ڈگنے کو پین“ یا عرف عام ”اسلامی بانڈ“ کی ادائیگی سے دنیا کے اکثر ممالک کی مانند بہت سستی چیزیں مہیا کی جائیں گی۔ بالواسطہ حکومتی کنٹرول میں آنے والی چیزوں کیلئے ایک مصنوعی یا موجودہ قیمت اور دوسری رعایتی قیمت کی شکل میں دو قیمتیں مقرر ہونگی۔ مصنوعی یا موجودہ قیمت کو حصص یا کو پین خرید کر ٹکٹس چالیں سے ساٹھ فیصد کم کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی خدمت یا شے کی قیمت کے مطابق دو گئے کو پین دے کر بعض مدتوں میں 60 فیصد سے زائد بچت ہو سکتی ہے۔ کو پین کے نظام میں بچت کی اس کیفیت کو ایک جملے میں کچھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ”ٹوٹل بل روپوں میں x کو پین یا کارڈ کی تعداد (ڈگنا)“ کا نتیجہ کو پین خریداری کی آسودگی کا باعث بنے گا۔ ہزار یورو جمع کروانے پر حکومت دس ملین روپے ڈیوٹی فری آپشن کی سہولت بھی دے گی جس کے نتیجے میں حکومت کے پاس پہلے ہی ماہ مالی سال کے آغاز میں دو ملین یورو جمع ہو جائیں گے۔ لیکن یہ آپشن صرف ایک ماہ کیلئے ہوگا۔ جو دوسرے ماہ کم ہو کر رعایت سات لاکھ اور تیسرے ماہ پانچ لاکھ روپے تک بالترتیب کم ہوتی چلی جائیگی۔ دس لاکھ روپے مالیت کے مساوی درآمدات پر ادائیگی کی جانے والی ڈیوٹی فری کی مثال کچھ یوں ہے کہ کسی ملک کی فیٹری قیمت پر ملنے والی تین لاکھ روپے کی ایک مشین یا گاڑی مروجہ معمول کے مطابق تین سو گنا سسٹم ڈیوٹی کے حساب سے نو لاکھ روپے درآمدی قیمت پڑنے کے بعد مجموعی طور پر بارہ لاکھ روپے میں پڑے گی جس کا موازنہ دس لاکھ روپے تک ڈیوٹی فری ایم بی سی سسٹم سے کیا جائے تو ایک لاکھ روپے کے خریدے گئے کو پین سمیت گاڑی کی تین لاکھ فیٹری قیمت ادا کرنے کے بعد بارہ لاکھ روپے کی بجائے آٹھ لاکھ کی ایک تہائی بچت کے ساتھ گاڑی صرف چار لاکھ روپے میں پڑے گی۔ تجارت میں ڈیوٹی فری سہولت کی تائید اسلامی روایات میں بھی ملتی ہے۔ نظام عشر کے حوالہ سے بہت سی روایات احادیث نبوی میں موجود ہیں جن میں تجارتی سامان سے جمع کردہ رقوم پر دسواں حصہ عائد کرنے کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ فقہانے عام طور پر اس محصول (عشر) کے نظام کو فرسودہ رسم قرار دیا ہے جسے حضورؐ نے منسوخ کر دیا تھا۔ اس اعتبار سے ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے مسلمان ممالک کے درمیان کسٹم ڈیوٹی کو رد کیا ہے جس کی رو سے باہم تجارتی لین دین کسٹم فری ہونا چاہیے۔ یہی موقف MBSCS سسٹم میں اختیار کیا گیا ہے۔

اولیٰ اسلام میں اشیاء کی بین الاقوامی نقل و حمل میں مسلم ممالک کے مابین کوئی تجارتی محصول رائج نہ تھا۔ تاہم صرف غیر مسلم ممالک کے تاجروں پر اُس وقت عشر لگایا جاتا تھا جب وہ اسلامی مملکت کی حدود میں تجارت کرنے کی اجازت طلب کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق چند تاجروں نے خلیفہ حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مسلمان تاجروں کو دو درجہ جالبیت کے رسم و رواج کے مطابق اُنکی قابل فروخت اجناس کا دسواں حصہ (عشر) غیر مسلم علاقوں میں محصول کے طور پر ادا کرنا پڑتا ہے، جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے مساوی بنیادوں پر حکم صادر فرمایا کہ غیر مسلم ممالک سے مسلم ریاست میں آکر اپنا مال فروخت کرنے والے تاجروں سے عالمین اُسی شرح سے محصول وصول کریں۔ تاہم انہوں نے یہ فرمان جاری کیا کہ جس مسلمان یا ذمی نے معاہدہ کے مطابق اگر زکوٰۃ یا جزیہ اور اخراج ادا کیا ہے تو اُس پر کوئی عشر (کسٹم ڈیوٹی کا محصول) عائد نہ کیا جائے۔ اس طرح محصول کو جمع کرنے کیلئے جو عالمین مقرر کیے جاتے وہ دس فیصد کے حساب سے بیرون ملک کے غیر مسلم تاجروں سے محصول وصول کیا کرتے تھے، جبکہ ریاست کے ذمی تاجر شہریوں سے پانچ فیصد اور مسلمان تاجروں سے اڑھائی فیصد وصول کیا جاتا تھا۔ البتہ جنگ کے اختتام پر ہاتھ آنے والا مال غنیمت کا پانچواں حصہ نفس، اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہوتا تھا۔ ظہور اسلام سے قبل تجارتی سامان پر عائد کردہ دس فیصد شرح محصول آجکل کی کسٹم ڈیوٹی سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس طرح چوکیوں پر لگائے جانے والے منڈی ٹول ٹیکس اور درآمدی سامان پر عائد کردہ تجارتی محصول میں کوئی خاطر خواہ فرق دکھائی نہیں دیتا کہ ان پر عشر کا اطلاق بھی صادق آتا ہے۔ گویا اسلام میں مسلم و غیر مسلم کے دو مختلف تجارت پیشہ طبقات سے الگ حیثیتوں میں محصولات و ٹیکس جمع کرنے کی اسلامی و غیر اسلامی ممالک کی واضح تفریق موجود تھی۔ گویا غیر مسلم ممالک میں مسلمان تاجروں سے محصول لیا جاتا تھا، اس لئے غیر مسلم ممالک کے تاجروں سے بھی دس فیصد محصول لیا جانے لگا کہ توازن قائم رہے جس کی اصلاح امداد باہمی کو پن سسٹم کے نفاذ سے ممکن ہے جس میں سب عام و خاص کا بھلا ہے۔

صاحب ثروت لوگ جہاں حسب ضرورت مالیت کے کوپن پہلے ماہ زیادہ شرح منافع کے ساتھ خرید سکیں گے، وہاں عام آدمی اگر انفرادی طور پر نہیں تو اجتماعی حیثیت میں کمیٹی ڈالنے کے مترادف پول بنا کر سستے کوپن خریدنے کیلئے پانچ، دس یا بیس سے لے کر سو افراد یا ہم مل کر بیس ہزار، دس ہزار یا پانچ ہزار سے لے کر ایک ہزار روپے جمع کر کے ایک لاکھ کی شرط کے ساتھ زیادہ سے زیادہ شرح منافع کے چھ کوپن فی روپیہ خرید سکیں گے۔ اس طرح ان کی شرح منافع کی رقم پوری ہونے پر انہیں کوپن ایجنٹس کو کمیشن دینے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آج اگر چند افراد مل کر ڈالی گئی کمیٹی کے نکلنے کا انتظار کر کے اپنی ہی بچت میں سے جمع کی ہوئی رقم واپس حاصل کر سکتے ہیں تو منافع زیادہ اور فوری ملنے کا یقین ہونے پر لوگ بلا تعامل رقم نہ ہونے کی صورت میں گھر پڑے ہوئے سونے چاندی کے زیورات بیچ کر سستے کوپن خرید لیں گے۔ شیڈولڈ بینک بھی کوپن کی خرید و فروخت میں اہم کردار ادا کریں گے جو کوپن کا وٹ کھول کر چند ہزار روپے اپنے پاس زیر ضمانت محفوظ رکھ کر ایک روپے کے پانچ، ساڑھے پانچ اور چھ کوپن تک زیادہ سے زیادہ شرح منافع پر فروخت کر سکیں گے اور جمع شدہ رقم ترقیاتی منصوبوں میں لگا کر خاطر خواہ منافع کمائیں گے۔

جب کوپن زرمبادلہ یا جس کی صورت اختیار کر جائیں گے تو کچھ مختیر حضرات اور کوپن کا کاروبار کرنے والے رجسٹریشن کروا کر یا کوپن ایجنٹس سے ڈسکاؤنٹ کے ذریعے کم قیمت پر کوپن حاصل کر سکیں گے۔ فرض کریں ایک رجسٹرڈ کوپن ایجنٹ ایک ماہ میں تین لاکھ کوپن فروخت کرتا ہے تو سال میں چھتیس لاکھ کوپن فروخت کر کے تین لاکھ ساٹھ ہزار روپے سالانہ منافع کما سکتا ہے۔ اگر یہ دو فیصد کمیشن خریدار کو چھوڑ دے تو 2,88,000 روپے سال کے پہلے ماہ میں بھی کما سکتا ہے۔ اتنی رقم اگر آج حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو آسانی سے نہیں ملے گی اور اگر مل جائے تو سود سمیت اصل زربھی واپس کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ کوپن سسٹم کے تحت یہ رقم اُس کی اپنی ہوگی جس سے جیسا چاہے کاروبار کرے، اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ بہت زیادہ سمجھدار کوپن ایجنٹس پانچ یا سات فیصد تک چھوڑ کر کوپن فروخت کریں گے۔ کیونکہ اُن کو پتہ ہے کہ اس رقم کو کاروبار میں لگا کر یا کوپن کی خرید و فروخت سے سال بھر میں دس گنا کیسے کرنا ہے۔ مقابلے کی اس صورتحال کا فائدہ یقیناً غریب آدمی کو ہوگا جو سال کے شروع میں ایک روپے کے چھ کوپن نہیں خرید سکیں گے، انہیں بھی ایک روپے کے چھ کوپن ملنے کے مواقع میسر آ سکیں گے۔ حکومت مطبوعہ ٹریژری بانڈز، یورو بانڈز اور سیونگ بانڈز یا سٹریٹجک ٹیکس کی شکل میں ایسے کوپن کا اجراء کرے گی۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اگر پاکستان میں 10 سے 15 فیصد لوگ صرف ایک لاکھ روپے خرچ کر کے کوپن خرید لیں تو حکومت کو آمدنی سنبھالنا مشکل ہو جائیگی۔ جبکہ اب حکومت کا بجٹ اگر 30 کھرب روپے اور آمدنی 19 کھرب روپے ہو تو 11 کھرب کا خسارہ پورا کرنے کیلئے سرکار کو بے تحاشا ٹیکس لگانے پڑیں گے۔ جبکہ MBC سسٹم کے نفاذ کے بعد ٹیکسوں کا مکمل خاتمہ ہو جائیگا، کیونکہ جب حکومت کو وافر مقدار میں ضرورت سے بھی زیادہ رقم میسر آ جائیگی تو ٹیکس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ ایک مختار اندازے کے مطابق پاکستان میں روزانہ 10 ٹیلیں روپے کے لگ بھگ کاروباری لین دین ہوتا ہے۔ اگر ہر لین دین پر 15 فیصد کوپن یا بانڈ کی صورت میں رقم حکومت کو ملے تو یہ 250 ارب روپے بنتے ہیں جو بغیر خرچ کے حکومت کو روزانہ کی بنیاد پر ملیں گے۔ حکومت کیلئے اسے سونے کی کان سے بھی بڑی نعمت کہا جاسکتا ہے۔ اتنی کثیر رقم ملنے کے بعد حکومت پاکستان کی معاشی حالت مستحکم ہو جائیگی اور MBCS کوپن کے اجراء کے ساتھ ہی بینکوں میں کسی بھی شرح سود پر رقم جمع رہنا ناممکن ہو جائیگا۔ اس سکیم کی بدولت وہ سارا پیسہ جو حکومتی دسترس سے باہر تھا، اب حکومتی کھاتوں میں شامل ہو جائیگا۔

معاشرتی خرابیوں کی ذمہ داری دولت کی غلط تقسیم سمیت زرمبادلہ اور سکوں کی اعتدال سے ہٹ کر ہونے والی گردش پر بھی عائد ہوتی ہے۔ سکہ کی بجائے محنت کا بدلہ ”محنت (لیبر) نوٹ“ جاری کیے جانے چاہیں، جو اسٹوروں میں خرید و فروخت کیلئے استعمال ہوں، جہاں بیک وقت خریدار فروخت کنندہ بھی ہو۔ یعنی کوئی بھی شہری اپنا تیار کردہ مال بازار میں قائم متعلقہ سٹوروں پر اس کی تیاری میں خود کارگرانی کے تحت نوٹ کردہ صحیح ترین صرف شدہ حاصل محنت کے اوقات کار بتا کر فروخت کر سکتا ہے جس کے مطابق اسے لیبر نوٹ ملیں گے جن کے عوض وہ اپنی ضروریات زندگی خریدے گا۔ اس طرح جو شخص جتنا زیادہ وقت لگا کر چیزیں پیدا کرے گا اُس کی آمدنی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ یعنی سکہ کی تعداد اور پیداوار کی مقدار میں راست تناسب ہونے سے دونوں ہم آہنگ ہو

جائیں گے اور یوں افراط زر کا مسئلہ بھی ہمیشہ کیلئے حل ہو جائیگا۔ ورنہ جس رفتار سے پیداوار کی مقدار، حاکمیت اور حلقہ اثر میں اضافہ ہوگا اُسی شرح سے محنت کار کا افلاس بڑھتا چلا جائیگا۔ یعنی جتنی زیادہ چیزیں وہ پیدا کریگا، اتنا ہی وہ بحیثیت بازاری جس سستا ہوتا چلا جائیگا۔ گویا عالم بشری کی ناقدری، براہ راست اسی نسبت سے بڑھتی ہے جس نسبت عالم اشیاء کی قدر میں اضافہ ہوتا ہے۔ زندگی سستی اور چیزیں مہنگی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ نتیجتاً محنت کی پیداوار، محنت کار کی حریف بن کر اُسکے سامنے آکھڑی ہوتی ہے اور وہ اپنی ہی پیداوار کی چیزوں کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ تاہم سائنس اور ٹیکنالوجی نے اب اتنی ترقی کر لی ہے اور پیداواری قوتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اگر طبقاتی مفادات راہ میں حائل نہ ہوں تو چند گھنٹوں کی محنت سے کرہ ارض کے سبھی رہنے والوں کی روزمرہ کی ضرورتیں بڑی آسانی سے پوری ہو سکتی ہیں۔

بہر کیف لیبر نوٹ، ٹوکن یا بانڈ کی مانند ایک رسید ہوگا جو قومی دولت میں ایک مخصوص قدر کے اضافے کا ثبوت ہوگا جس کا حامل جب اور جو چیز چاہے خرید سکے گا۔ یہ منصوبہ نام کام اس صورت میں ہو سکتا ہے جب آپکے بیچ کے ممبران اپنا مال سٹور میں فروخت کرتے وقت محنت کے اوقات کار کی مقدار کو بڑھا چڑھا کر بتائیں گے، تاکہ انہیں زیادہ لیبر نوٹ مل سکیں۔ مگر یہ فائدہ مند اس لئے نہیں ہوگا کیونکہ ہر شخص کو زندگی گزارنے کیلئے مساوی سطح پر درکار بنیادی سہولیات ملنے کی وجہ سے بے جمال و دولت جمع کرنا یا روکے مقصد ہوگا اور یوں انسانی قومی فرض اور ذاتی مفاد، ہم آہنگ ہو جائیں گے۔ ورنہ ہر فرد ذاتی مفاد کی خاطر دوسروں سے ذاتی یا کاروباری خاصیت کی بناء پر مصروف پیکار رہے گا۔ جس سماج میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں، کوئی شخص اپنی ذاتی غرض اور اپنے نجی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے، ایک آدمی کی حاجتمندی کو دوسرا آدمی اپنے لئے نفع اندوزی کا موقع سمجھ کر اُسکا بھرپور فائدہ اٹھائے اور مالدار طبقوں کا مفاد عوام کے مفاد کی ضد بن جائے، جہاں نگی خود غرضی کے تحت ہر مادی و اخلاقی چیز کا بیوپار ہوتا ہو، جس کی قدر کا تعین بازار میں ہو تو ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ یعنی انسان نے قانون قدرت سے انحراف کر کے ایک غیر فطری معاشرہ بنا کر طبقے پیدا کر لئے ہیں، جبکہ مفاد ایک دوسرے سے ہمہ وقت ٹکراتا رہتا ہے۔ ہر شخص دوسرے شخص میں نئی احتیاج پیدا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ موجودہ معاشرے کی اساس باہمی تعاون کی بجائے مقابلے اور مسابقت پر ہے۔ ہر طبقے اور پیشے کا انسان خود کی بجائے دوسروں کو اپنا حریف خیال کر کے مقابلہ کرنے کے مرض میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر کی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ شہری بیمار ہوں، وکیل چاہتا ہے کہ ہر گھر مقدمے بازی میں الجھ جائے، موچی لوگوں کے جوتے جلد ناکارہ ہونے کا خواہشمند ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض ہماری مہذب دنیا میں ہر شخص پوری آبادی کے خلاف آمادہ جنگ دکھائی دیتا ہے۔ کتنے ہی پیشے تھے جو عزت و احترام کے ہالے میں لپٹے ہوئے تھے جسے سرمایہ دار نے پھین کر اُستاد، طبیب، عالم، فنکار، شاعر، سائنسدان سب کو ہی اُجرتی بنا دیا ہے۔ حتیٰ کہ خاندان کے چہرے کی جذباتی نقاب کو نوچ کر اُسے مادیت صفت روپے کے رشتے میں ڈھال دیا ہے جس سے معاشرہ کا ماحول تعلیم و تربیت اور اقدار کی فضا اس قدر ابتر ہو چکی ہے کہ انسانی ضمیر کی مطلوبہ آواز مرتب نہیں ہو پا رہی کہ ”مال صدقہ جان اور جان صدقہ آید“ کو مستقل قدر بنایا جاسکے۔ اس لئے سیاسی، سماجی اور معاشی مساوات کی عمارت جس اقتصادی ڈھانچے پر کھڑی کرنی ہے اُس میں سب انسانوں کے حقوق مساوی ہونے سے دوبارہ احترام انسانیت کے ہالے وجود میں آجائیں گے اور فقہ کی تصریح کے مطابق بھی ہمارے نجی استعمال میں روزانہ آنے والے برتن، کھانا، کپڑے، گھر، فرنیچر، گھڑی، ریڈیو سیٹ، ٹی وی، سائیکل، موٹر کار اور روزی روٹی کمانے والے آلات جیسی اشیائے صرف کی یکساں و منصفانہ تقسیم کے بعد دوسروں کی محنت سے نفع کمانے اور چلنے والی فیکٹریاں، کارخانے (محنت گاہیں)، ذرائع پیداوار، زمین، بینک، معدنیات کی کانیں، جہاز، ریل گاڑیوں جیسی جملہ املاک پر ذاتی ملکیت کا حق منسوخ کر کے مشترکہ و مساوی حق کی حامل گاؤں کی شمولیت کی مانند ریاستی تحویل میں دے دی جائیں گی جس میں انفرادی عمل دخل حتمی نہ ہوگا اور فاضلہ دولت بھی انفرادی کی بجائے اجتماعی ملکیت میں تبدیل ہو جائیگی، تاکہ اُسے متعین شرح کے ساتھ افراد میں جسمانی اور ذہنی کام کرنا والوں کی تخلیقی محنت کی مناسبت سے تقسیم کر دیا جائے۔ کیونکہ صحیح معاشی نظام وہ ہے جس میں فاضلہ دولت کسی (ایک فرد یا گروہ) کے پاس نہ رہے (2/219)۔ افسوس کہ جن کو سب کچھ ملتا ہے وہ کام نہیں کرتے، جبکہ محنت کرنا قانون قدرت ہے جو ہر فرد کو کرنی چاہئے۔ کیونکہ دنیا کا کوئی جانور ایسا نہیں ہے جو جہلی طور پر محنت نہ کرتا ہو، یا ہاتھ پاؤں بلائے بغیر اپنی ضرورتیں پوری کر لیتا ہو، اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ انہیں شوگر، بلڈ پریشر جیسی جسمانی بیماریاں جلد لاحق نہیں ہوتیں۔

لہذا مجوزہ نظام کے تحت زمین اتنی ہی اور اُس شخص کو ملے گی جو خود کاشت کر سکے گا جس کی حد پاکستان میں آٹھ سے دس یا ساڑھے بارہ ایکڑ ہوگی جو جدید ٹیکنالوجی کے حامل ترقی یافتہ بیرون ممالک میں سہولیات میسر ہونے کی بناء پر چھ سے آٹھ ایکڑ زرعی اراضی اوسط درجے کے خاندان کیلئے نہ صرف کافی ہوگی، بلکہ وہ قومی آمدنی میں اضافے کا باعث بھی بن سکے گا۔ زرعی کارپوریٹ فارمنگ کی مانند ہر قسم کی صنعتی پیداوار میں بھی کارپوریشن کے قیام کی شکل میں اجتماعیت کو فروغ دیا جائیگا۔ جہاں تک صنعتکاری میں انفرادی قوت کے باعث آمدنی کا تعلق ہے، وہاں نفع وہ قدر زائد ہے جو محنت کے باعث خام اشیاء میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ کچا مال، عمارتیں، مشینیں اور اُجرتیں، خود اپنی قدروں میں اضافہ نہیں کرتیں، بلکہ مزدوروں کی محنت کا ثمر ہوتی ہے۔ جامد سرمایہ کی بازار میں قابل فروخت گردشی پیداوار کا حقیقی خالق دولت مند طبقہ نہیں، بلکہ مزدور ہوتا ہے جو عددی طور پر ہر دس میں سے آٹھ ہونے کے باوجود پیداوار کا فقط 6/60 حصہ، جبکہ دولت مند طبقہ 54/60 حصہ اپنے تصرف و قبضہ میں رکھتا ہے۔ پاکستان میں غربت مسلسل بڑھنے سے متوسط طبقے کی شرح آبادی، کل 10 فیصد رہ گئی ہے۔ یعنی آبادی میں دولت مندوں کا تناسب فقط 12/60 ہوتا ہے جو پاکستان میں غریبوں کی تعداد بڑھنے سے بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے اور دیکھا جائے تو دہشت گردی کی اصل وجہ بھی محض غربت ہے، اس کو مذہب سے جوڑنا سر اسر غلط ہے۔ ایک متمول یا آسودہ حال شخص خود کش حملہ آور کیونکر ہو سکتا ہے؟ معاشی ناہمواری ہی دہشت گردی کا اصل محرک ہے۔ غریب ترین علاقوں میں غربت کے ستارے ہوئے نوجوان خود کش بمبار بنتے ہیں جو اپنے اور غریبوں کے آلاکار بن کر نہ صرف خود مرتے ہیں، بلکہ درجنوں بے گناہوں کی موت کا سبب بھی بنتے ہیں۔ یہاں کا مزدور 8 دن میں فقط ایک دن یا ایک دن میں ایک گھنٹہ اپنے اور اپنے بال بچوں کیلئے کام کرتا ہے اور باقی ماندہ اُس کا وقت دوسروں کی خاطر صرف ہوتا ہے۔ مزدور کے پاس اپنی قوت و محنت کے علاوہ کوئی اثاثہ نہیں ہوتا جس کو وہ فروخت کر سکے۔ لیکن فرمایا معاوضہ صرف محنت کا ہے سرمایہ کا نہیں، کیونکہ سرمایہ کا معاوضہ رہا ہے، خواہ اس کی کوئی بھی شکل کیوں نہ ہو (53/39)۔ مگر انصاف کا تقاضا ہے کہ سرکار سے معاوضہ پر حاصل شدہ اللہ کے عطا کردہ ذرائع پیداوار کو استعمال

کرنے کا معاوضہ سرمایہ دار کو بھی ملنا چاہیے، کیونکہ تیار شدہ مال مشترکہ محنت کا نتیجہ ہوتا ہے، جسے کوئی بھی ایک فریق اکیلے تیار کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور مشینوں اور کپے مال کے بغیر مزدور بیکار ہو سکتا ہے۔ اس لئے فریقین کو شرح ادائیگی عدل پر مبنی ہونی چاہیے۔ فیکٹری و کارخانہ کے کاروبار میں خوشگوار یا کٹھن کام کی نوعیت و اہمیت کے لحاظ سے اگر سرمایہ دار کو 20/60، محنت کار کو 25/60 اور منتظمین کو 15/60 حصہ کارکردگی کی بنیاد پر دینا ارکان خود طے کریں تو مرد و زمانہ (بطور حصہ دار) 3/60 حصہ لینے والا آہنگ کا غریب مزدور مذکورہ شرح سے ادارے کا جزوی مالک و شراکت دار ہونے کے ناتے 'میری زمین، میری فیکٹری' کے احساس کے ساتھ زیادہ تندرہی سے کام کریگا۔ اس لئے آج اور آج کی طبقاتی جدوجہد تیز کرنے کی بجائے بطور حصہ دار شریک ہو کر پیداواری حصص خریدنے کیلئے محنت کشوں کو آمادہ کیا جائیگا، تاکہ امداد باہمی کے تحت مزدوروں کی ٹریڈ یونینوں کے ذریعہ فنڈ جمع کر کے ایک دولت مشترکہ کے سرمایہ سے سرمایہ داروں اور مزدوروں کی ہمہ قسم جوئےٹ سٹاک کمپنیوں کی ملکیتی فیکٹریاں اکائی سطح پر کھولی جائیں گی جس سے یقیناً حقیقی خوشحالی آئے گی۔ مزدور یا کارکن کو منافع کا کچھ حصہ بطور مزدور ملنے کے علاوہ کچھ حصہ بطور حصہ دار (بونس) ملے گا اور منتظم منتخب ہونے پر الگ سے حصہ ملے گا تو ایسے میں ریاستی زمینیں اور صنعتیں سونا اگلیں گیں۔ جبکہ پیداواری تقسیم کی اساس، رسد و طلب کی بجائے عدل و احسان پر ہوگی۔ مختصراً یہ کہ زرعی اصلاحات کے ساتھ سرمایہ کی بھی از سر نو تشکیل کر کے صنعت و تجارت میں افرادی قوت کیلئے حصص کی واضح حد بندی کی جائیگی۔

8- انتظامی یونٹس کی حامل وحدتی ریاست

ملک، ریاستیں، صوبے، ڈویژن، اضلاع یا تحصیلوں جیسی انتظامی تقسیم حقیقی عوامی ترقی و خوشحالی اور زیادہ آسانیوں کیلئے ہوتی ہے، نہ کہ اشرافیہ و حکمران نسلوں، خانقاہی سیاستدانوں، بیوروکریٹس، وکلاء، ججز، مخصوص صحافیوں اور جرنیلوں کی مزید اجارہ داری و بالادستی قائم ہو؟ ہمارا حکمران طبقہ مال و دولت کی بنیاد پر مقرر ہوتا ہے، کوئی غریب سوچ بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ سورہ بقرہ (247) میں طاوت کی حکمرانی سے اس امر کی نفی کی گئی ہے۔ لہذا اتفاق و تفریق کے حامل موجودہ بڑے حجم کے صوبوں کا خاتمہ کیا جائیگا اور ملک کو نو یونٹ کے مصداق ممکنہ اضلاع پر مشتمل انتظامی یونٹس (اکائیاں) بنایا جائیگا، تاکہ کثیر صوبوں والی وحدتی ریاست میں پنجابی، سندھی، پنجتون اور بلوچی جیسی عوام کو تقسیم کرنے والی متعصب صورتوں اور علیحدگی پسند آوازوں کا از خود خاتمہ ہو جو عوام کو قوم نہیں بننے دیتیں۔ البتہ وزیراعلیٰ، گورنر، وزراء اور ان کی فوج ظفر موج نہیں ہوگی۔ اضلاع میں تمام چلوک اور قصبوں کے نام حسابی نمبروں میں تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ وسائل کی موثر، منصفانہ اور متوازن تقسیم سمیت اختیارات بتدریج مرکز سے اضلاع اور ان کی خود مختار مقامی اکائیوں کو سونپ کر ہر شخص کو اس کی دہلیز پر مفت انصاف دیا جائیگا، جس میں تادیبی قسم کے نوآبادیاتی نظام انصاف کی بجائے انسانی ضابطہ حیات تیار کیا جائیگا۔

9- پیشہ ورانہ افواج اور تربیت یافتہ مضبوط قوم۔۔۔ خلی سطح سے بلا امتیاز محکمانہ بھرتی کا آغاز۔۔۔ معاشرے کو غیر طبقاتی بنانے کی ایک کوشش!

انسان کی فطری کمی تو پوری نہیں کی جاسکتی ہے، لیکن یہ سچ ہے کہ انسان کی تشکیل اس کے گرد و پیش سے ہوتی ہے جسے انسانی بنانے کیلئے سب کو ایک جیسا ماحول اور سہولتیں دے کر تعلیم و اخلاق کے مطلوبہ معیار پر بنیادی پے سکیل کے ساتھ ابتدائی عہدہ میں تعینات کیا جائیگا۔ یعنی تعلیم کا مطلوبہ معیار مقرر کر کے خلی سطح سے محکمانہ بھرتی کی جائیگی، تاکہ کوئی بھی ملازم دوران ملازمت شخصی و فنی صلاحیتوں، اخلاقی ظرف اور دنیاوی و دینی تعلیم کے بل بوتے پر اپنی تعلیمی قابلیت اور عہدہ پیشہ ورانہ کارکردگی کی بنیاد پر مقابلے کی فضا میں ترقی کے ادنیٰ سے اعلیٰ مدارج طے کرنا چلا جائے۔ یعنی ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ اس کے اعمال و کردار کے مطابق متعین کیا جائیگا (46/19) اور جو سب سے زیادہ حسن عمل کا پیکر ہوگا، وہ سب سے زیادہ واجب العزت ٹھہرے گا (49/13)۔ انسان کو اپنی ساکھ پر زندہ رہنے اور رکھنے کیلئے عزت کا معیار دولت و اقتدار کی بجائے تقویٰ و کردار کی اعلیٰ صفت پر رکھا جائیگا۔ قرآنی معاشرہ میں ہر شخص کی عزت بلا تمیز قوم، رنگ، نسل، پیشہ، محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہوگی۔ کسی کو پست یا ذلیل نہیں سمجھا جائیگا۔ یعنی قرآنی معاشرہ میں کوئی کسی کا محکوم و محتاج نہیں ہوگا۔ کسی شخص کی برتری کا معیار فرائض کی بجا آوری میں محنت اور دیانت سے کام لینے کے علاوہ نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے کی قابلیت ہوگا۔ نیچے سے لے کر اوپر تک، عزت کا ہر مقام ہر شخص کیلئے کھلا ہوگا جسے وہ اپنی قابلیت اور حسن سیرت کی رو سے بطور حق حاصل کر سکے گا جو اس سے کوئی نہیں جھین پائیگا۔ ہم نے ایسا معاشرہ متشکل کرنا ہے جس میں ہر فرد وہ کچھ بن سکے جو اس میں بننے کا امکان ہے۔ بنیادی سہولتوں کی بلاتنا سب دی جانے والی مراعات کے فرق کو منصفانہ تقسیم کے تحت مٹا دیا جائیگا۔ یعنی مزدور، ماہرین، منتظمین وغیرہ پر مشتمل عوامی درجہ بندی کے نظام کے تحت تنخواہوں اور سہولیات میں یکسانیت لا کر سماجی نظم و ضبط برقرار رکھنے کی کوشش کی جائیگی۔ گویا بنیادی تنخواہ کا ایک مطلوبہ معیار مقرر کر کے عہدہ و کارکردگی کے حساب سے افسر یا ماتحت کے اہل خانہ کیلئے بنیادی تعلیم، صحت اور دیگر گھریلو اخراجات کی قنات کو ختم کر کے زمین آسمان کے فرق کو مٹایا جائیگا۔ قومی یکجہتی کیلئے ریاستی اداروں کو وفاقی سطح پر افواج کے انتظامی ڈھانچے کا مانند منظم کیا جائیگا۔ جیسا کہ بعض مسلم و غیر مسلم ممالک کی افواج کے انتظامی ڈھانچے کے تحت ایک مقررہ معیار پر ابتدائی عہدہ (سپاہی رینک) میں بھرتی کر کے محکمہ کے سربراہ بننے تک سب کو مساوی مواقع دیئے جاتے ہیں۔ بلا تخصیص ملازمین (خدا م) کے تبادلے ملکی سطح پر ہونگے۔ قومی دفاع کو موثر بنانے کی خاطر ہر بالغ مرد و زن شہری کو سالانہ بنیادوں پر مخصوص عرصہ کیلئے لازمی عسکری تربیت دی جائیگی جس کی تجدید بھی بوقت ضرورت کی جاتی رہے گی۔ نظام کے مکمل نفاذ تک مساجد میں بھی سکولوں کی طرح کلاسز کا اجراء ممکن بنایا جائیگا، جہاں سبکدوش ملازمین کام میں لائے جاسکیں گے جن کے معاونین تعلیم مکمل کرنے والے طلباء و طالبات پہلے ایک یا دو سال اعزازی طور پر لازماً مناسب اعزازیہ کے ساتھ اپنے مضمون کی مناسبت سے تعلیمی خدمات کیلئے اپنے آپ کو وقف کریں گے، جس کے بعد انہیں متعلقہ مقامی اکائی کے NOC ملنے پر ڈگری جاری کی جائیگی۔ اسی طرح ہر مرد و زن کیلئے فوجی تربیت حاصل کرنا بھی لازمی ہوگی۔ ہر مقامی اکائی کے پاس عسکری تربیت دینے والا ماہر فوجی عملہ مستقل طور پر موجود رہیگا، جس کی زیر نگرانی اس علاقہ کے زیر تربیت افراد کی تعداد کے مطابق تربیت گاہ پر اسلحہ و ساز و سامان ہمہ وقت موجود رہیگا، اور اس تربیت گاہ اور متعلقہ اکائی کے تھانہ کا احاطہ ایک ہی ہوگا۔ مسلح تربیت یافتہ قوم کے ہوتے ہوئے کوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ شب خون مارنے کی بیوقوفی بھی نہیں کر سکے گا۔

10- ملکی ترقی اور فنی قوتوں کا ضامن ادارہ

تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے تربیت یافتہ اور غیر ہنرمند افراد کو حکومت کی سرپرستی میں اُن کی چھٹی ہوئی **مہارتوں و صلاحیتوں کو فروغ دینے اور نکھار پیدا کرنے کے یکساں مواقع مہیا کیے جائیں گے۔** مقامی و ضلعی اکائیوں کے توسط سے یہ ادارہ تمام بے روزگار و تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل افراد کیلئے روزگار کی سفارشات کریگا اور مقامی اکائیوں کی معاونت سے ان افراد کی تازہ ترین فہرست مکمل اور تجدید کے ساتھ برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اُجرتوں کے معیار کا تحفظ بھی یقینی بنائیگا۔ معاوضے و مطالبے، اوقات کار کی تقسیم اور اس کے تعین اور ماحول کی بہتری کو یقینی بنانے کے علاوہ میرج بیورو کے فرائض بھی ادا کر کے والدین و بالغان کیلئے بروقت عائلی زندگی کے آغاز میں معاونت کریگا، تاکہ فرڈ، جھلسازی اور لواطت و ہم جنس پرستی کی طرف مائل ہونے کے مواقع مفقود ہو جائیں۔

11- نظام تعلیم اور ہمارا شعور

قرآن علم کو خیر کثیر قرار دیتا ہے۔ اس لئے ملک میں ایک جیسا جدید تحقیق پر مبنی کردار ساز اور علم بخش نظام تعلیم نافذ کیا جائیگا، جس میں طلباء و طالبات کے ذہنی رجحان کے مطابق اُن کی راہنمائی کی جائیگی اور تعلیمی اداروں سمیت جملہ سرکاری و پرائیویٹ ملازمین کیلئے یونیفارم کا نفاذ ممکن بنایا جائیگا، تاکہ امیر و غریب ایک ہی سطح پر آسکیں۔ ہر ضلعی اکائی میں لازمی طور پر یونیورسٹی، ضرورت کے مطابق کالج اور مقامی اکائی میں کم از کم سکولوں کا قیام یقینی بنایا جائیگا، جہاں شفٹ وار تعلیم دی جائیگی، تاکہ ملازم پیشہ افراد بھی خواہش اور ضرورت کے مطابق اپنے دفتری اوقات کار کی مناسبت سے مطلوبہ تعلیم حاصل کر سکیں۔ **خوشامد آئندہ بن اور غلامانہ سوچ کی حوصلہ شکنی کیلئے اہم درخواستوں اور خطوط کے اندر کسی قسم کے بے جا التجائی فقرے لکھنے کی ممانعت ہوگی، جو انسانی فطرت کے خوشامدی رجحان کو ہمیز دیتے ہیں۔** کھبوں، سڑکوں، چوراہوں، درختوں پر مبارکباد اور خوش آمدید جیسے تمام ہینرز اور اشتہاری بورڈوں کا خاتمہ کر کے بہت مجبوری یا دیگر ممالک کے سربراہوں کیلئے محض علامتی جھنڈیاں لگائی جاسکتی ہیں۔ جبکہ راؤ، راجہ، ملک اور چوہدری وغیرہ جیسی کسی شخصی یا علاقائی نسبت کے ناموں کے ساتھ گھروں یا دفاتر کے باہر عہدوں کے بورڈ بھی آویزاں نہیں کیے جائیں گے۔ گاڑیوں وغیرہ کی نمبر پلیٹوں یا سکرینوں پر آرمی، پولیس، ایڈووکیٹ یا پولیس وغیرہ کے ٹیکر اور لکھائی پر مکمل پابندی ہوگی، جس سے ذہنی پستی ظاہر ہوتی ہو اور قانون کو متحدہ اور دھمکی ملنے کا تاثر ملتا ہو۔ تخلیقی عمل کے تحت **دنیادہ اور دینی تعلیم ایک ہی وقت میں دی جائیگی**، نہ کہ ایک دوسرے کی ضد بنا کر متوازی نظام ہائے تعلیم نافذ کر دیئے جائیں۔ کیونکہ اسلامی مملکت میں شریعت کے مسائل ریاستی قوانین سے الگ نہیں ہوتے جس سے کسی الگ اور خاص گروہ کی ضرورت پڑے۔ **ہر رائے پر تنقید اور نئی بات کا خیر مقدم اس انداز میں ہوگا کہ عقل و شعور کی فصل کاشت کی جاسکے۔** نئی نسل کی تعلیم و تربیت ابتدائی بارہ سالوں میں کرنے کی غرض سے قرآن مجید و احادیث، اخلاقیات، تہذیبی اقدار اور تاریخ پاکستان کا مطالعہ سکول دور میں ہی شروع کرانا ہوگا، کیونکہ اعلیٰ تعلیمی ادارے، بہر کیف اس کام کیلئے نہیں ہوتے۔ جبکہ انگریزی تعلیم جیسی کسی بھی زبان کو نصاب کا لازم نہ بنا کر حصول تعلیم میں رکاوٹ بننے نہیں دیا جائیگا، جس سے یقیناً تعلیمی شرح میں اضافہ ہوگا اور کسی بھی زبان کے سیکھنے کا عمل انفرادی خواہش پر چھوڑ دیا جائیگا۔ اس سلسلہ میں عالمی سطح پر رائج ممالک کے نظام تعلیم کا تقابلی جائزہ بھی لیا جائیگا۔ مسلمانوں کی احسن اور ضروری تربیت کیلئے **اسلامی تاریخ، قرآن و سنت اور تمام فقہ کی جملہ احادیث مبارکہ، ہر امتی کو بلا معاوضہ مہیا کی جائیں گی۔** جب نظریہ ترغیب کے تحت شہر، قریہ اور گاؤں کے اندر اسلام کے متعلق قرآن اور احادیث میں سے سوالات کے امتحانات لے کر پانچ فیصد نمبر حاصل کرنے والوں کو پانچ سو روپے، جبکہ سو فیصد نمبر لینے والوں کو دس ہزار روپے (ماہانہ و سالانہ) دیئے جائیں گے تو یقیناً رغبت بڑھے گی۔ بیشک اس سلسلہ میں قرآن و احادیث کے اندر ”سزا و جزا“ اور رعایات و ترغیبات کا اصول پیش کر کے اچھے راستے پر چلنے کے نتیجہ میں انعامات کی ترغیب دی اور بد اعمالی پر سزاتجویز کی گئی ہے۔

ان تمام امور میں انفرادی و اجتماعی تجربہ کو مزید وسیع کرنے کیلئے ہر مقامی اکائی کے جملہ رائے دہندگان کو بطور مجلس عاملہ، باہم متعارف ہونے اور مجموعی اصلاح کرنے کی خاطر سال میں کم از کم ایک دفعہ سالانہ اجتماع یا اکٹھ میں متعلقہ اکائی حلقہ کے لوگوں کو کم از کم فی گھر ایک فرد کو لازماً شرکت کرنا ہوگی۔ **ہر اکائی اپنی ہم پلہ اکائی کے مرحلہ وار دورے بھی کیا کریگی، جبکہ شہری لوگوں کو دیہات اور گاؤں والوں کو شہروں میں معینہ مدت کیلئے وقت گزارنے کی ترغیب دے کر ثقافتی عدم تفاوت دور کی جائیگی،** جس سے سماج میں مرور زمانہ کے تغیر و تبدل کا نفوذ آسانی ہو سکے گا۔ اس کارروائی کا مقصد ایسا مخلوط کلچر پیدا کرنا ہے کہ شہری و دیہی ماحول اور مرد و زن کا امتیازی فرق کم سے کم ہو جائے۔ جیسا کہ آپ نے حجتہ الوداع کے موقع پر مسلمان مردوں اور عورتوں کو باہم مل کر طواف، سعی، رمی اور وقوف عرفات کی اجازت مرہمت فرما کر مرد و زن کی مخلوط مثال قائم کی تھی۔ اگرچہ عورت کیلئے عدت کی پابندی (2/228) کے سبب مرد ایک درجہ آگے ہے۔ لیکن عورت کی بچوں کو جنم دینے کی اہلیت ایک درجہ مرد سے آگے ہے؟ مگر کیا کمال ہے کہ آدمی سے عورت پیدا کر کے پھر ہمیشہ کیلئے عورت سے آدمی پیدا کرایا جانے لگا۔ بہر طور **بعض حیثیتوں میں مردوں کو عورتوں اور عورتوں کو مردوں پر فوقیت حاصل ہے۔** مرد (لڑکا) اکتسابِ رزق خود سمیت بیوی بچوں کیلئے کرتا ہے، جبکہ عورت (لڑکی) کے ذمہ اپنی کفالت ہوتی ہے، نہ اپنے خاندان کی، جس کے سبب لڑکے (بیٹے) کو زیادہ حصہ دینے کا کہا گیا ہے اور جہاں ایسی صورت نہیں وہاں عورت اور مرد کا حصہ برابر رکھا گیا ہے۔ جبکہ ماں باپ میں ہر ایک کا حصہ 1/6 یا کالہ کی صورت میں بہن اور بھائی میں سے ہر ایک کا حصہ 1/6 ہے۔ گویا موقع مناسبت سے دونوں اعمال و خصائل باہم مشروط ہیں۔ اس لئے ہمیں اجتہادی نقطہ نظر سے لڑکے اور لڑکی کو وراثت میں برابر کا حصہ دار بنانے پر غور کرنا چاہیے جو یقیناً خاندانی اکائی کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

12- ہماری پہچان... قومی زبان

بیشک کوئی بھی قوم اپنی تہذیبی روایات سے ناط توڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتی اور ہمیشہ احساس کمتری میں مبتلا رہ کر فکری بحران کا شکار اور قومی سوچ کے لحاظ سے بانجھ رہتی ہے۔ **دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں نے ترقی کے مدارج اپنی ہی قومی زبان کے بل بوتے پر طے کیے ہیں۔** زبان، سیاسی و سماجی شعور کو جلا بخشنے کا ذریعہ اور فکری اٹھان کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے ملکی سطح پر قومی زبان ”اردو“ کی نسبت ایک ایسا سرکاری ادارہ قائم کیا جائیگا جو زمانہ کی جدت کے لحاظ سے متروک الفاظ کے متبادل نئی جہتوں کے ساتھ نئے الفاظ پر نئی تجدید لغت کا اہتمام کرنے سمیت جملہ غیر زبانوں کی تمام مفید کتب کا اردو میں ترجمہ کر کے ملکی لائبریریوں کی زینت بناتا رہیگا۔ برٹش (UK)، امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور کسی حد تک کینیڈا جیسے انگریزی زبان کے حامل چند ممالک کے علاوہ فرانس، اسپین، پرتگال، اٹلی، یونان، جرمنی، ناروے، سویڈن، جاپان، چین، ایران، کوریا، عربی و افریقی اور بہت سے دیگر تمام ترقی یافتہ ممالک نے اپنی اپنی مادری زبانوں میں ہی ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ بیشک قوموں کے ملکی وجود کے تحفظ کیلئے قومی زبان کا تحفظ نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اپنی زبان مٹ جانے سے قومی شخص بھی مٹ جاتا ہے۔

13- ہمارا سماج اور خاندانی منصوبہ بندی

نظام ربوبیت میں رب العالمین نے سب کو رزق دینے کی یقین دہانی کروائی ہے، جس میں بھوک و مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو قتل کرنا، خدا کی رزاقیت پر ایمان کے منافی ہے (6/152, 17/31, 11/6)۔ اس لئے انتہائی پہلوؤں کے تحت ضبط تولید کا اختیار کردہ ہر وہ طریقہ جس سے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مکمل طور پر ختم ہو جائے، وہ ناجائز اور حرام ہوگا یا **عقل و شعور کے بغیر افزائش نسل کا سلسلہ جاری رکھنا بھی اسلامی اخلاقیات کے منافی ہوگا۔** البتہ ملکی و شخصی حالات کو دیکھ کر ضرورتوں کے تابع مانع حمل کی جملہ صورتیں، خواہ وہ عزل وغیرہ کی صورت میں ہوں یا کسی دوا اور انجکشن یا خارجی تدابیر کا عمل ہو، انکے استعمال کی گنجائش اسلامی روایات کی روشنی میں پیدا کرنی ہوگی۔ لیکن **خاندانی منصوبہ بندی کو اولاد کا قتل سمجھ لینا نامناسب ہوگا، کیونکہ حمل قرار نہ پانے کی صورت میں جو بچہ وجود میں ہی نہیں آیا اسے قتل کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے۔** کیونکہ مادہ تولید کے ایک قطرہ میں لاکھوں کروڑوں جرثومے ہوتے ہیں، مگر ہر جنسی اختلاط کے نتیجہ میں ضروری نہیں کہ حمل قرار پا جائے اور حمل کا سبب بننے والے ایک جرثومہ کے علاوہ باقی تمام ضائع شدہ جرثوموں کو لاکھوں بچوں کا ہلاک اولاد تصور کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ نیز استقرار حمل کے بعد جنسی اختلاط کرنے کی صورت میں مذکورہ بالا سوچ اور نظریہ کے مطابق تمام جرثومے ضائع ہونا یا بیوی کے عقیم (بانجھ) ہونے کی صورت میں مستقلاً جرثومے ضائع ہوتے رہنا کس نظر سے دیکھا جائیگا؟ چنانچہ **معتدل سوچ کے مطابق فطرت نے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کو انسان کی مرضی کے تابع رکھا ہی اس لئے ہے کہ وہ صاحب اختیار و ارادہ ہونے کے ناطے ضبط ولادت پر کامل رہے۔** فطرت نے حیوانات یعنی چرند پرند کے جنسی جذبہ پر خود تجدید گادی ہے جن کے جنسی ملاپ کا جذبہ فطری منصوبہ بندی کے تحت اولاد پیدا کرنے کے وقت خاص موسم اور مخصوص اوقات میں بیدار ہوتا ہے۔ گویا حیوانات، خاندانی منصوبہ بندی خود نہیں کر سکتے، کیونکہ انہیں اختیار ہی نہیں دیا گیا اور محض لذت کی خاطر جنسی اختلاط پر قادر نہ ہونے کے سبب ان کی توانائیاں ضائع ہونے سے بچ جاتی ہیں۔ یعنی فطرت مجبوراً اشیاء کی روش زندگی کا نام ہے، مگر صاحب اختیار و ارادہ کی فطرت کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے اولاد کی خواہش کو انسانی دل کی گہرائیوں میں پیوست کر کے فطرت نے انسان کو اس کی اپنی منصوبہ بندی کے تحت **آفرائش نسل کا پورا اختیار دے کر بہت بڑی گنجائش سے نوازا ہے۔** حیوانوں کی طرح بے بس و مجبور نہ بنا کر عقل و شعور کی اضافی خوبی کے ساتھ عندا ضرورت بچے پیدا کرنے کی آزادی دے کر اس نسبت تجدید بھی کردی ہے۔ کیونکہ **خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق عقل و فکر، جبکہ جنسی لذت کے حصول کا تعلق جذبات سے ہے۔** لہذا جب بھی انسان عقل و فکر کو جذبات کے تابع رکھے گا، نقصان اٹھائے گا۔ لیکن جب وہ قرآن کے اسباق کے تحت عقل و فکر سے راہنمائی لے کر جذبات کو ضرورتوں کے تابع رکھے گا تو کامیاب ہوگا۔ گویا جذبات کو عقل اور عقل کو وحی (قرآن) کے تابع رکھنے میں ہی انسان کی بھلائی ہے۔

چنانچہ سماجی طور پر کامیاب زندگی شادی کر کے بلا سوچے سمجھے بچے پیدا کرنے کا نام نہیں ہے۔ خصوصاً جب نظام ربوبیت کی عدم موجودگی میں بلا منصوبہ بندی پیدا ہونے والے بچے خوراک اور دیگر بنیادی وسائل کی کمی کے سبب ریگ ریگ کر سمیڑی و بیمار زندگی بسر کر کے قبل از وقت مر جاتے ہیں جو قتل کرنے کے مترادف ہیں، تو ایسے ناکافی مؤثرات زندگی کے حالات میں بچوں کو جنم دینا گناہ اور اخلاقی جرم ہوگا، جنہیں اچھی خوراک مل سکتی ہے اور نہ ہی عمدہ تعلیم، پہننے کو اچھے کپڑے ملتے ہیں، نہ ہی بہترین ماحول جیسی بنیادی انسانی ضروریات مہیا ہوتی ہیں۔ بلکہ ایسے میں وہ معاشرے کے صحتمند شہری بننے کی بجائے بہت سی نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہو کر سماجی مسائل کا سبب بنتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کا مقصد اگر عندا ضرورت بچے پیدا کرنا ہو تو جنسی اختلاط کو ثانوی حیثیت مل جانے سے از خود آفرائش نسل کی تجدید ہو جائے گی، اور بحیثیت انسان ایسا کرنے سے رفاقت باہمی، سکون، محبت اور رحمت بھی میسر آجائے گی۔ بیوی کے پاس محض لذت کیلئے جانے سے وہ بھیتی نہیں رہتی، بلکہ عیاشی کا سامان بن جاتی ہے جو مافسین کی صورت میں مقاربت کہلائے گی۔ اس لئے معاشرہ میں عورت کو وہ عزت کا مقام دیا جائے جس سے وہ جنسی جذبہ کی تسکین کا ذریعہ تصور ہونے کی بجائے وجہ تکریم انسانیت سمجھی جائے۔ جبکہ خواتین بھی اپنے آپ کو یوں سمیٹ لیں کہ ان کے پہناوے، چال ڈھال سے ان تمام اسباب و ذرائع کا سدباب ہو سکے جو جنسی جذبہ کی بیداری کو عام کرتے ہیں۔ اگرچہ حصول لذت ممنوع نہیں، مگر ضبط خویش کے تحت ضرورت کے تابع ذنی چاہیے۔ یعنی جنسی اختلاط حصول لذت کی بجائے آفرائش نسل کیلئے ہونا چاہیے، بصورت دیگر ”جنسی بدہنادی“ (Sex Perversion) کہلائے گی۔ لہذا اختلاط کے نتیجہ میں مخصنین کی صورت میں نطفہ کو رحم میں حفاظت سے رکھنے یا مافسین کی شکل میں بہا دینے کی دو صورتیں، حلال نکاح یا حرام زنا بالترتیب سامنے آتی ہیں (4/24)۔ صدحیف کہ زہر زن اور زمین جو مخصن تسکین کی بجائے انسانی ضرورتیں تھیں، ان کے معاملات میں انسان نے لذت و عیاشی کی صورت میں

جذبات کو عقل و فکر پر غالب (کر) رکھا ہے، جس کا نتیجہ معاشرے میں فساد ہی فساد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ چونکہ مخصوص موسم میں از خود بیدار ہونے والے حیوانی جذبہ کے برعکس انسانوں میں جنسی جذبہ اُن کے خیالات کے تابع واقع ہوا ہے۔ اس لئے جنسی اشتعال (انگیز خیالات) پیدا کرنے والی فلمیں، تصاویر، پست درجہ کے عشقیہ گانے، بے باک جنسی لٹریچر، برہنہ آرٹ، خواتین میں نمودنِ جس کا جذبہ اور اس کیلئے متنوع طرق و اسالیب اور قسم قسم کے مواقع و تقاریب، انٹرنیٹ و سوشل میڈیا کی عریانییت وغیرہ کے سرعام مظاہر پر پابندی عائد کرنا لازم ہے، جن کے مجموعی اثر کی وجہ سے نوجوان طبقہ بالخصوص، اپنے خیالات پر کنٹرول کرنے میں بے بس ہو جاتا ہے۔ بیشک جنسی جذبہ اُس وقت تک از خود نہیں اُبھرتا جب تک پردہٴ بسارت کی وساطت سے ذہن میں خیالات جنم نہیں لیتے۔ البتہ بھوک، پیاس، نیند وغیرہ جیسی اضطراری حالتوں اور اُن کی تکمیل کے مقاصد کی صورت میں طبعی تقاضوں کا بیدار ہونا انسانوں اور حیوانوں میں مشترک ہیں، جو از خود اُبھر کر انہماک پر آخر کار غالب آجاتے ہیں اور عدم تکمیل کی صورت میں زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ جبکہ جنسی تقاضا میں ایسا نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود اسلامی اقدار کی عدم موجودگی میں عقل و شعور سے کام نہ لینے کی وجہ سے پرانہ خیالات کے سبب جنسی جذبہ انسان کی اضطراری حالتوں پر حاوی رہتا ہے، جس کا واحد و مستقل علاج نظام ربوبیت کے نفاذ میں ہے، جس میں بروقت نکاح کے ساتھ مؤثر اثرات زندگی میں سر ہونے سے برائیوں کا خاتمہ ممکن ہو جائیگا۔

14- مفاد عامہ کی تکمیل کے اجتماعی پہلو

حکومت وقت بے روزگاری وظیفہ، معمر و پیرانہ سالی، ضعیفوں اور معذوروں کیلئے مالی و جانی تحفظ، مزدوروں کیلئے کام کے اوقات کار کا تعین، کم سے کم اجرت اور پنشن وغیرہ کے قانون بنانے کو ترجیح دیگی۔ ہر اکائی اپنی حدود میں رہنے والے تمام ضعیف العمر مردوزن کیلئے ہسپتال اور اُن سے ملحقہ مکمل دیکھ بھال اور تمام بنیادی سہولیات کی حامل رہا نکٹا ہیں، اولڈ ایج ہومز، دارالامان اور دارالاطفال بھی قائم کر دیئے گئے۔ عوام کا سلسلہ وار میڈیکل چیک اپ کروانے سمیت ہر فرد کی میڈیکل ہسٹری اور بلڈ گروپ کا ریکارڈ ہر دم تیار رکھے گی۔ ہر مقامی اکائی زچہ بچہ سنٹر کھولنے کے علاوہ ضلعی اکائی کی سطح پر ایک ایسا شعبہ بھی قائم کر دیگی جس میں ہر مردوزن، بچہ، بوڑھا، آزاد (غلام)، مسلم اور غیر مسلم اپنا مسئلہ ریکارڈ کروا سکے گا، جسے سال کے اختتام پر کتابی شکل میں بطور رپورٹ مرتب کیا جائیگا، جس پر اگر ضروری ہو تو قانون سازی کر کے سب کیلئے آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ البتہ بزرگوں سے حالت تندرستی میں اُن کی دانش و تجربہ سے استفادہ کیلئے مناسب وقفوں کے ساتھ انکی سربراہی میں نوجوانوں کیلئے محفلیں بھی سجائی جاتی رہیں گی۔

15- تعمیری سرگرمیوں کا احاطہ

کھیل کود اور ورزش جیسی تعمیری سرگرمیوں اور صحتمند تفریحات کو زندگی کا معمول بنا کر معاشرے کا جز و خاص بنایا جائیگا۔ اکائیوں کی زیر نگرانی ملک کے اندر ہر سطح پر سابقہ ماہرین و کھلاڑیوں کی سرپرستی میں ہمہ قسم کھیلوں پر مشتمل اکیڈمیاں اور کلب بنا کر مقامی، ضلعی و قومی سطح پر ہمہ جہت مقابلے منعقد کروائے جائیں گے، تاکہ ملکی سطح کے حقیقی کھلاڑیوں کا چناؤ عمل میں لایا جاسکے۔ تمام مضر صحت اشیاء، مثلاً سگریٹ پان وغیرہ پر مکمل پابندی عائد کر دی جائیگی۔ انسانیت کی بھلائی میں حصہ دار تمام شعبہ ہائے زندگی کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کر کے ایلیو پیٹیٹی (سرجری)، ہو میو پیٹیٹی (جراحی) اور حکمت (طب) کو انسانی بھلائی کیلئے بیک وقت فائدہ مند بنایا جائیگا۔

16- سمعی و بصری آلودگیوں کے خاتمہ کی کوشش

دھیمی آواز کے ساتھ لاؤڈ سپیکر کا استعمال، اذان، جمعہ و عیدین جیسے خطبات اور ضروری اعلانات تک محدود کر دیا جائیگا۔ خوشی غمی جیسے روزمرہ زندگی کے امور میں بے جا خرچہ و شاہانہ نمود و نمائش کر کے اترانے پر مکمل پابندی ہوگی۔ مختصر برات میں چند قریبی رشتہ داروں اور ہمسایوں کی شمولیت تک تقریبات کو محدود کرنے کی کفایت شعار روایت ڈال کر مقرر کردہ کھانے کا خرچہ مقامی اکائی کی زیر نگرانی کیا جائیگا، تاکہ محروم طبقات کیلئے ہر میانہ روی کے اصول سے سماجی تقاریب میں گھٹن دور ہو سکے۔

17- کفایت شعاری اور ماحولیاتی آسودگی

باہمی ہمدردی کے رجحان میں کمی لانے والے تمام عناصر کا خاتمہ کرتے ہوئے غیر ضروری سامان آرائش و آسائش کو محدود کر دیا جائیگا۔ سائیکل اور پبلک ٹرانسپورٹ کے استعمال کو اولین ترجیح دی جائیگی۔ اور ہیڈ ویز زمین گزرگاہوں کے علاوہ مرکزی (مین) شاہراؤں اور ریلوے لائنوں کو یکطرفہ آمد و رفت (ون وے) میں تبدیل کر کے اجتماعی ٹرانسپورٹ کو فروغ دیا جائیگا۔ پارکنگ کی منصوبہ بندی جدید خطوط پر کی جائیگی۔ شجر کاری کو زندگی کا جز و خاص بنایا جائیگا۔ پیدل چلنے والوں، سائیکل سواروں، تانگے اور ریڑھی بانوں اور گاڑیوں کی فٹنس سمیت ٹریفک کے جملہ نظام سے متعلق بے ضابطگی کی اصلاح کیلئے قوانین سازی اور ان پر سختی سے عملدرآمد کروایا جائیگا۔ بس اڈوں پر مسافروں کی شکایات کا فوری ازالہ کیا جائیگا۔ اللہ نگہبان۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل
لوگ ساتھ آتے گئے کارواں بنتا گیا



اللہ تو کل اس میدان پر خار میں قدم رکھا ہے۔
بیشک کامیابی و کامرانی ربِّ کریم کے اختیار میں ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کیلئے آسانیاں پیدا فرمائے۔ آمین۔

